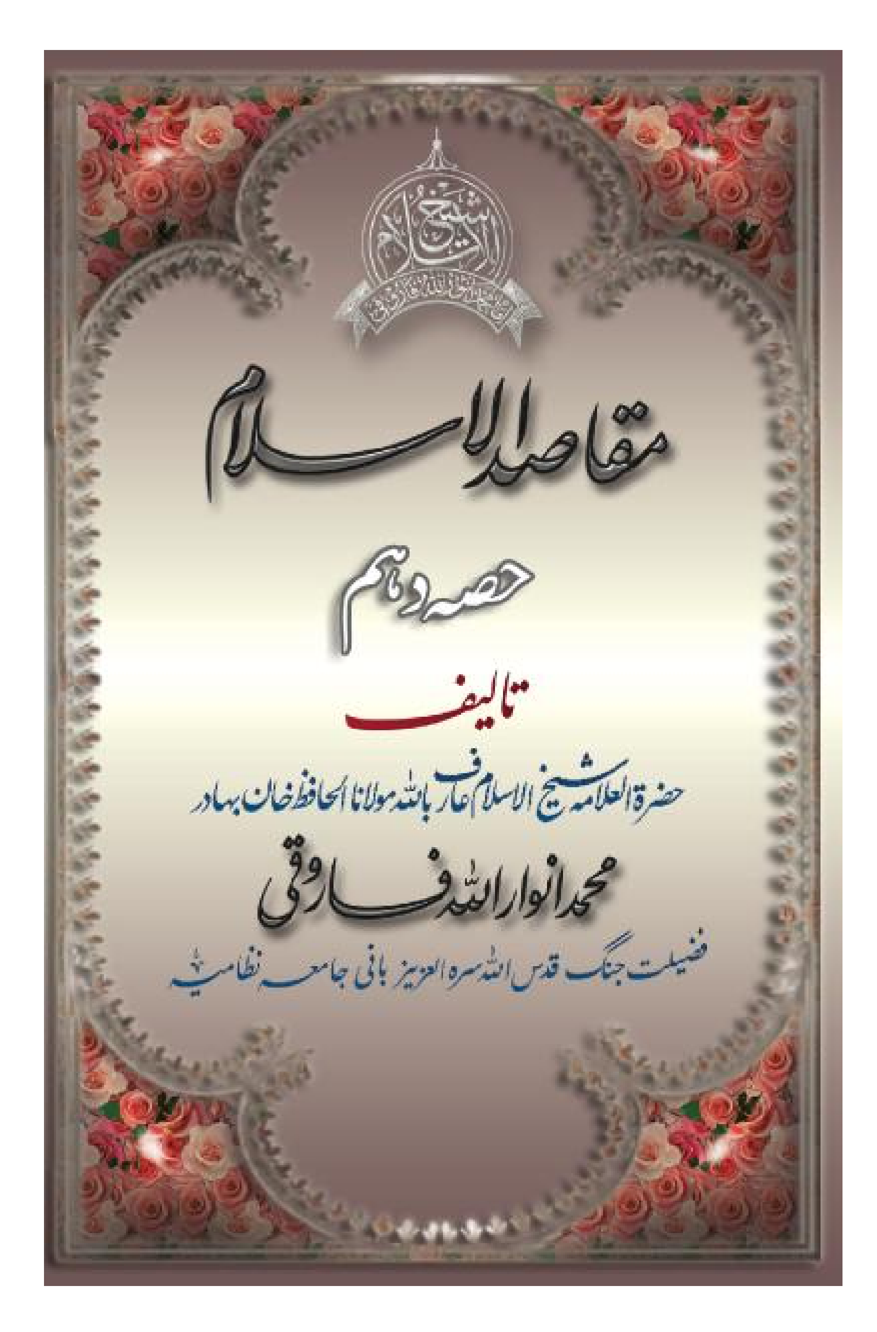


مقاصد الاسلام
حصہ دہم
تالیف
حضرۃ العلامہ شیخ الاسلام عارف باللہ مولانا الحافظ خان بہادر
محمد انوار اللہ فاروقی
فضیلت جنگ قدس اللہ سرہ العزیز بانی جامعہ نظامیہ

الحمد لله رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلوٰة والسلام علی سیدنا محمد وعلیٰ اٰله وصحبه اجمعین ۔

امابعد۔اس سے سابق کے حصہ میں خلفائے راشدین کے کچھ حالات لکھے گئے تھے جن سے ان حضرات کا زہدو ورع وغیرہ معلوم ہوا تھا جو مدارِ تصوف ہے اب اجمالی طور پر عموماً صحابہؓ کے حالات لکھے جاتے ہیں۔ یہ بات ہر مسلمان جانتا ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے کلام مجید میں بار بار ارشاد فرماتا ہے کہ جولوگ ایمان لاتے ہیں اور کلام الٰہی کو سچ جانتے ہیں اور خدائے تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل کرتے ہیں وہ جنت کے مستحق ہوں گے۔ جہاں ہر قسم کے عیش وعشرت کے سامان مہیا ہیں۔ اور جولوگ دنیا کے عیش وعشرت میں مشغول ہوکر خدائے تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ جہاں اقسام کے عذاب ہیں۔ چونکہ صحابہؓ کوخدا ورسول کے ارشاد پر کامل یقین اور عشق کامل تھا۔اس لئے وہ ہمیشہ اس کوشش میں رہتے تھے کہ ایسے کام کریں کہ دوزخ سے محفوظ رہکر جنت کے مستحق ہوجائیں جہاں اپنے معشوق حقیقی کا دیدار اور وصال ہوگا۔یوں تو ہر مسلمان کا دعویٰ ہے کہ میں جوکام کرتا ہوں وہ اچھا ہے اور اپنے آپ کو اچھا ظاہر کرتا ہے

ہر کسے خود را نماید بایزید　　نیک چوں بینی بماند بایزید

روانگی لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ

مگر صحابہؓ کے حالات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ہمارے اور انکے کاموں میں کیا نسبت ہے۔ اور ان کو خدا و رسول کے ساتھ کس درجے کا عشق تھا۔ ہم چند حاالات ان حضرات کے لکھے ہیں جس سے فرق مراتب معلوم ہو جائے گا۔ آنحضرت ﷺ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں ایک لشکر شام کی طرف روانہ فرمایا۔ مگر آنحضرت ﷺ کی سخت بیماری کی وجہ سے پہلی ہی منزل میں وہ ٹھیرے رہے۔ چنانچہ اس عرصہ میں حضرت ﷺ کا انتقال ہوگیا۔ اور ان کی روانگی میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں۔ جس کا حال ناسخ التواریخ صفحہ ۱۰۷ جلد دوم میں لکھا ہے کہ وفات شریف کے تیسرے ۳ روز ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس لشکر کو روانگی کا حکم دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہ آپ کے پاس جمع ہوئے اور کہا کہ اے خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم اس وقت اس لشکر کا یہاں سے جانا ہرگز مناسب نہیں۔ اس لئے کہ آپ جانتے ہو کہ اعراب یعنی جنگل میں رہنے والے عرب دین سے منحرف ہوگئے ہیں۔ بعضوں نے طلحہ کو پیغمبر مان لیا

ہے۔اور یمامہ میں مسلیمہ کذاب نے پیغمبری کا دعویٰ کر کے لشکر کثیر فراہم کرلیا ہے۔بنی فزارہ میں عیینہ ابن حصین کی پیغمبری کا سکہ جم گیا ہے۔بنی تمیم نے مالک ابن نویرہ کی اطاعت قبول کرلی ہے۔ایک بڑی جماعت نے سجاح بنت منذر کی پیغمبری کا اقرار کرلیا ہے۔وہ جسے چاہتی ہے ان کو نچاتی ہے بحرین کے لوگ حطم بن زید سے جاملے ہیں۔آپ مدینہ میں رہتے ہو۔اور یہی تھوڑے مسلمان ہیں جو آپ کے پاس ہیں۔اگر یہ بھی اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ چلے جائیں تو آپ تنہا ایک مختصر جماعت کے ساتھ رہ جاؤ گے پھر اگر مخالفین سے کوئی چڑھائی کرے تو آپ کیا کرسکو گے۔آپ نے فرمایا میں پیغمبر ﷺ کے حکم کے خلاف ہرگز نہ کروں گا۔رہی مری حفاظت سو خدائے تعالی میرا حافظ ہے۔صحابہؓ نے دیکھا کہ ہماری بات پر توجہ نہیں فرماتے۔عمرؓ کے پاس گئے اور یہ سب امور بیان کرکے کہا آپ انہیں سمجھائے ممکن ہے کہ آپ کی مان لیں۔اور اگر نہ مانیں تو اتنا تو کریں کہ اسامہ کی جگہ مہار جرین یا انصار میں سے کسی کو امیر مقرر کریں کیونکہ اسامہ ایک غلام زادہ شخص ہیں ہمیں ان کی ماتحتی سے عار آتی ہے۔عمرؓ نے ابوبکرؓ سے جب یہ بیان کیا تو آپ نے کہا اے عمر تم دیوانوں کی سی باتیں کرتے ہو۔جس کو پیغمبر ﷺ نے بلند کیا۔کیا میں اس

کو پست کر سکتا ہوں عمرؓ نے مایوس ہو کر سب سے کہہ دیا کہ خلیفہ وقت کوئی بات قبول نہیں کرتے اب بغیر روانگی کے گزیر نہیں۔ چنانچہ وہ لشکر روانہ ہوا اور چالیس ۴۰ روز کے بعد مظفر و منصور واپس آ گئے۔ انتہی

مخالفت صدیق رضی اللہ عنہ از ہمہ صحابہ

دیکھئے یہ وقت وہ ہے جو تاریخ خمیس میں لکھا ہے کہ عرب مرتد ہو گئے تھے۔ یہودی و نصاریٰ نے سرکشی شروع کر دی تھی نفاق پھیل گیا تھا۔ غرضکہ اسلامی دنیا میں ایک تہلکہ برپا تھا۔ جدھر دیکھئے مخالفوں کا ہجوم باپ بیٹے سے شوہر بی بی سے ترساں کسی کو کسی پر بھروسہ نہیں۔ ایسی حالت میں کل صحابہ ایک طرف ہیں اور ابوبکرؓ ایک طرف۔ اور صحابہ جو رائے دے رہے ہیں کوئی عقل سلیم اس کا انکار نہیں کر سکتی اول تو صحابہ مدینہ منورہ میں تھے ہی کتنے۔ اگر تمام مسلک عرب کی نسبت دیکھے جائیں تو ہزاروں حصہ بھی نہیں۔ پھر مخالفین کی یہ کیفیت کہ عمر بھر اسلام کی وجہ سے حیران و پریشان۔ اور اس تاک میں لگے ہوئے کہ جب موقع ملے انتقام لے لیں۔ مگر آنحضرت ﷺ کے تائیدات غیبیہ کے مقابلہ میں کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ یہاں تک تو ہوا کہ کسی سفر میں آپ آرام فرما رہے تھے۔ کہ ایک شخص

نزدیک آپہونچا اور چاہتا تھا کہ قتل کرے کہ درخت کی ٹھنی نے اس سے قتل کر ڈالا۔ اس قسم کے اکثر واقعات پیش آتے تھے جیسا کہ خصائص کبریٰ میں مذکور ہیں۔

حضرت کے وفات کے ساتھ ہی ان تائیدات غیبیہ کا رعب جوان کے دلوں پر مسلط تھا وہ بھی جاتا رہا۔ اور یہ خبر تمام ملک عرب میں چند گھنٹوں میں مشتہر ہوگئی۔

معجزۂ قتل درخت کافررا

اور قاعدہ کی بات ہے کہ مخالفوں کی نظر دارالسلطنت پر لگی رہتی ہے جب تمام مخالفوں کو معلوم ہو جائے کہ بادشاہ تن تنہا صرف سو پچاس مصاحبین کے ساتھ دارالسلطنت میں ہے۔ اور فوج بہت دور یعنے ملک شام کے اطراف روانہ کردیگئی تو کہئے کہ ان کے حوصلے کیسے بڑھ گئے ہونگے۔ ہر عقلمند اس واقعہ پر غور کرنیکے بعد یہ رائے قائم کرگا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جانشین ہوتے ہی پہلے وہلے میں اسلام کا خاتمہ ہی کردیا تھا۔ مگر وہ ایک تجربہ کار بزرگ تھے۔ ابتدائے نبوت سے وفات شریف تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے۔ جانتے تھے کہ دین کے

کام میں عقل کو کوئی دخل نہیں۔

دین کی کامیابی عقل کو تباہ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے میں رکھی ہے۔

عقل قربان کن بہ پیش مصطفیٰ پیروِاو باش تا یابی ہدیٰ

کمال ایمان و پیروی صدیق رضی اللہ عنہ و تلقین مسائل تصوف

انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے قریب حالت مرض میں جب اس لشکر کو روانہ فرمایا تو اسمیں کوئی مصلحت ضرور ہے۔

اور کم سے کم خلیفہ وقت کا تو امتحان ضرور مقصود ہے۔ کہ عقل کو ترجیح دیتے ہیں یا امر نبوی کو۔ اگر عقل کو ترجیح دی تو ہمیشہ کے لئے عتاب الٰہی میں آگئے اور امر نبوی کو ترجیح دی تو خدائے تعالیٰ کو راضی کرلیا۔ پھر جس سے خدا راضی ہو کون اس کا مقابلہ کر سکے۔

لشکر فرعون و سحر سامری روز و شب کردند با موسیٰ مری

چو بکے دادش عجب آں حی فرد تا کہ یک یک را شکست و غرق کرد

غرض کہ انہوں نے عزم کرلیا کہ صحابہ تو کیا اگر تمام عالم ایک طرف ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئے ہوئے کام میں دست اندازی

کرنا چاہے تو تن تنہا سب کا مقابلہ کرلوں گا اور باوجود اس تنہائی کے نصرت اپنے ہی کو ہوگی۔

نصرت حق مراست پشت و پناہ　　نصرت حق نمایم و آنگاہ

اسی وجہ سے ایک معمولی درخواست بھی ان کی جو اسامہ رضی اللہ عنہ کو بدلنے سے متعلق تھی منظور نہ کی۔ حالانکہ جانتے تھے کہ بے دل فوج امیر کی اطاعت ہرگز نہ کرے گی۔ بلکہ بے دل آدمی دشمن سمجھا جاتا ہے۔ مگر آپ نے اس کا بھی خیال نہ کیا۔ اور گویا اجازت دیدی کہ جس طرح تم ان کی سپہ سالاری کے مخالف ہو ان کی مخالفت بھی کر کے دیکھ لو کہ اس کا کیا انجام ہوتا ہے مگر سبحان اللہ اس صداقت اور دینی عقل کا یہ اثر ہوا کہ نہ کہیں ہنگامہ برپا ہوا نہ کوئی سر اٹھا سکا۔ اور بالاتفاق چالیس روز میں ہر ایک قبیلہ پر گذرتے۔ اور ان کی سرکوبی کرتے۔ اور رعب بٹھاتے ہوئے مظفر و منصور واپس آگئے۔

کاروانے کہ بُود بدرقہ اش لطفِ خدا　　بہ تجمل بنشیند بجلالت برود

اور سب جعلی نبی اور دشمنان اسلام منہ دیکھتے رہ گئے۔

کارپاکانرا چنیں انجام ہاست　　کج نماید لیک سرتا پاست راست

یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ آپ نے امارت اسامہ رضی اللہ عنہ کے

بارہ میں جو کل صحابہ کی دل شکنی کی عقل کے بالکل خلاف تھا۔اس لئے کہ آپ جانتے تھے کہ نہ اصول عرب کے لحاظ سے آپکو کوئی خلافت کا استحقاق حاصل ہے نہ اور کسی قسم کی حکومت ہے کہ جس کے رعب سے لوگ مجبور ہوں اور نہ ایسا مال وزر ہے کہ خوشامد سے لوگ آپ کے طرف مائل ہوں بلکہ انہی لوگوں نے اپنی خوشی سے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے آپ کو خلیفہ تسلیم کرلیا۔باوجود اس کے پہلے ہی پہل ایسے لوگوں سے بگاڑ لینا جن کے ہاتھ حل عقد حکومت ہے خلاف عقل نہیں تو کیا ہے؟ خصوصا ایسے موقع میں کہ بحسب اصول عرب علی کرم اللہ وجہہ مستحق خلافت موجود تھے اور بقول حضرات شیعہ آپ مدعی خلافت بھی تھے۔پھر سب سے مخالفت کی بھی تو مسئلہ امارت میں کہ عزت دار لوگ ہر کس و ناکس کی امارت کو گوارا نہیں کرتے۔دیکھئے یہی مسئلہ امارت تھا۔ کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا باعث ہوا۔آپ نے اس کا ذرا بھی خیال نہیں کیا۔کہ علی کرم اللہ وجہہ کے ادنیٰ اشارے پر شکستہ خاطر لوگ علیٔحدہ ہو جائیں گے اور ان کو یہ کہنے کا موقع مل جائیگا۔کہ ہم نے تجربہ کار سمجھ کر ان کو خلیفہ بنایا تھا۔اب ان کے پہلے ہی حکم سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ مصالح ملکی و تدابیر ملک رانی سے ناواقف محض ہیں۔اور انجام

کارسونچنے کی صلاحیت ہی نہیں اسلئے وہ قابل عزل ہیں۔

شہے کز مصالح ندارد خبر مصالح بعزلش بود سر بسر

اسمیں ذرا بھی شبہ نہیں کہ یہ کارروائی معمولی عقلوں کے بالکل خلاف تھی۔مگران کی دینی عقل اور عشق نبوی نے یہی فتوی دیا کہ چاہے خلافت رہے یا جائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عدول حکمی نہ ہو نہ پائے۔

برغم مدعیانے کہ منع عشق کنند جمال چہرۂ توحجتِ موجہِ مااست

آخراس عشق اور مردانہ جرأت کی یہ برکت ہوئی کہ کسی نے دم نہ مارااور خلافت کا استحکام روزافزوں بڑھتا گیا۔چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وقت خدمتِ امامت جوذات مبارک سے وابستہ تھی آپ کے تفویض فرمایا۔اوراپنا خاص مصلّٰی یعنے سجادہ آپ کے حوالے کر کے صحابہ کے مجمع عام میں آپ کواپنا سجادہ نشین قرار دیا۔تو آپ کوضرورتھا کہ جولُبِّ لباب شریعت ہے اس کے اصول اہل اسلام کے ذہن نشین کردیں۔اس لئے عملی طور پرآپ نے مجمع عام میں وہ ارشادات کئے۔جوحضرات صوفیہ خاص طور پراپنے مریدین کوتخلیہ میں تلقین کرتے ہیں۔مثلاً خلق سے انقطاع اور رجوع الی اللہ کا طریقہ بتلا دیا کہ خدا اور رسول کے مقابلہ میں خواہ دشمن ہو یا دوست کوئی قابل التفات نہیں۔نہ کسی سے خوف ہو نہ رجا ہو۔

تا روئے تو بودست بہ پیشِ نظرِ من نے خوف عدو ماند نہ از دوست رجائے

استقامت کا حال معلوم کرا دیا کہ کوئی کچھ بھی کہے اپنا مشرب نہ چھوڑا جائے

بسرت گر ہمہ عالم بہ سرم جمع شوند نتواں بردہوائے تو بروں از سر ما

باتوں باتوں میں خلوت درانجمن کی تعلیم کردی کہ ہر کام میں خدا تعالی سے قلبی تعلق لگا رہے

درخلوت وکثرت زتو گفتیم وشنیدیم خالی نہ بود از تو دمے انجمن ما

توحید افعالی کو یوں ذہن نشین کیا کہ موافق ومخالف جو کچھ کرتے ہیں وہ خدائے تعالیٰ کے ہی کام ہیں بغیر اس کے مشیت وارادے کے کوئی کام نہیں ہوسکتا ہے

از خدا داں خلافِ دشمن ودوست کہ دل ہر دو در تصرف است

گرچہ تیر ا کماں ہمیں گزرد از کماندار بیںز اہل خرد

نفس اور شیطان وسوسے ڈالتے ہیں کہ لوگونکی مخالفت کا برا اثر پڑتا ہے آپ نے دکھلا دیا کہ صدق ہوتو کچھ اثر نہیں پڑسکتا ہے

چو باشی پیشِ حق درمنزل صدق نیارو ہیچکس قصد گزندت

یادگیر ایں سلوک راز عصا راستی پیش می رود ہمہ جا

یہ مشاہدہ کرا دیا کہ صدق وخلوص سے جو کام کیا جائے خدائے تعالیٰ کی

طرف سے اس میں تائید ہوتی ہے

گل زکجی خار در آغوش یافت   نیشکر از راستی ایں نوش یافت

یہ امر منکشف کر دیا کہ انسان کامل سے بطور خرق عادت خدائے تعالیٰ وہ کام کراتا ہے کہ عقلیں اس میں متحیر ہوتی ہے۔ اسی طرح آپ نے اور دوسرے خلفاء نے وقتاً فوقتاً علمی طریقہ سے ارشادت کئے۔ اسی وجہ سے ان حضرات کو خلفائے راشدین کہتے ہیں جن کا کوئی کام رشد وارشاد سے خالی نہیں۔ اگرچہ ظاہر بینوں کی نظروں میں ان حضرات کے بعضے کام نفسانی اور بدنما معلوم ہوتے ہیں۔ مگر جو لوگ بالغ النظر ہیں وہ جانتے ہیں کہ اعلیٰ درجے کے اسرار ان میں مضمر ہوتے ہیں

کارِ پاکاں را قیاس از خود دیگر

جہاد صدیق رضی اللہ عنہ با مانعین زکوٰۃ

تاریخ خمیس اور تاریخ الخلفا وغیرہ میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب عرب مرتد ہو گئے۔ اور اکثر نے کہا کہ ہم نماز تو پڑھیں گے مگر زکوٰۃ نہ دیں گے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انسے جہاد کرنے کا ارادہ کرلیا تو عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ نے کہا کہ یا خلیفہ رسول اللہ اعراب وحشی جانوروں کیطرح ہیں بہتر یہ ہوگا کہ ان کی تالیف قلوب اور انکے

ساتھ نرمی کیجئے فرمایا اے عمر! میں نے یہ امید کی تھی کہ تم میری مدد کرو گے مگر معلوم ہوا کہ تم مدد کرنا نہیں چاہتے۔ جاہلیت میں تو تم بڑے ہی جبّار تھے مگر اسلام میں ڈھیلے ہوگئے ان کی تالیف قلوب کے لئے کیا میں شعر بنا کر پڑھوں۔ یا عبارتوں میں جھوٹی سحر کاریاں کروں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کے ساتھ ہی وحی موقوف ہوگئی اب کوئی نیا حکم نہیں آسکتا۔ خدا کی قسم رسّی کا ایک ٹکڑا یا بکری کا ایک بچہ جو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیتے تھے اگر مجھے نہ دیں تو میں اپنی ذات سے اس وقت تک ان سے لڑونگا کہ تلوار اپنے ہاتھ میں تھام سکوں۔ اگر کوئی میری مدد نہ کرے تو مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ ہر چند عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ کلمہ پڑھتے ہیں۔ ان انکا قتل کس طرح جائز ہوگا مگر آپ نے نہ مانا۔ اور کہا کہ جو کوئی نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا میں بیشک اس کو قتل کرونگا۔

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر ایک قبیلہ مرتد ہوتا تو ہم انسے جہاد کرنے کی رائے دیتے۔ اس وقت تمام ملک عرب میں تہلکہ مچا ہوا ہے۔ بہت سے قبیلے تو مرتد ہی ہوگئے۔ اور بہت سے زکوٰۃ دینا نہیں چاہتے۔ وہ بھی مرتدوں کے ساتھ ہیں۔ اور بہت سے منتظر ہیں کہ دیکھئے انجام کیا ہوتا ہے۔ بہر حال تمام ملک عرب نے اس وقت مخالفت پر اتفاق کرلیا

ہے۔اگراس سال کا صدقہ آپ عرب کو معاف کردیں تو کوئی نقصان کی بات نہیں۔

کل صحابہ کو بھی عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے ساتھ اتفاق تھا۔اور کہتے تھے کہ یہ لوگ اہل قبلہ ہیں قبلہ کیطرف نماز پڑھتے ہیں۔ انسے لڑنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے۔صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ کوئی اپنی رفاقت نہیں دیتا۔آپ اوٹھے اور مسلح ہوکر تنِ تنہا انسے جہاد کرنے کو نکلے اس وقت طوعاً وکرہاً ایک سو صحابی مہاجرین وانصار آپکے ساتھ ہو لئے۔ اور مرتدوں سے مقابلہ کیا۔اوران کو ہزیمت دی۔اورکئی روز مقام بقعا میں آپ رہے۔اس وقت علی کرم اللہ وجہہ اور عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کو واپس آنیکے لئے اصرار کیا۔چنانچہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کوان سے جہاد کرنیکے لئے روانہ کرکے آپ واپس آگئے انتہٰی

یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دوسرا حکم تھا۔جو خلاف عقل ہونے میں پہلے حکم سے کچھ کم نہیں۔ ہرچند کل صحابہ کی دلیلیں نہایت زوردار اور عقل کے مطابق تھیں۔مگر صحابہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دلیل اور دعوئے الہامی ہی پر عمل کیا اور آخر یہی ثابت ہوا کہ اس باب میں ان کو شرح صدر ہوا تھا۔اسی مقام کی بات ہے جو کسی بزرگ نے کہا ہے۔

بمئے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید کہ سالک بے خبر نہ بود زراہ ورسمِ منزلہا

تاریخ خمیس میں عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ اہل رِدّت سے جہاد کرنیکے معاملہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان تمام مسلمانوں کے ایمان سے بڑھ گیا۔ انتھٰی

اس کی وجہ یہی ہے کہ تمام صحابہ عقل کی بات کہہ رہے تھے۔ اورابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان اوریقین کامل تھا کہ دین اسلام کامل ہوگیا ہے۔ قیامت تک باقی رہے گا۔ گوعرب مرتد ہوگیا ہومگر وہ عارضی طور پر ہے انکا غلبہ مسلمانوں پر ہرگز نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ جب اس دین کا خود حافظ وحامی ہے تو عرب تو کیا کُل روئے زمین کے لوگ مخالف ہوجائیں تو بھی فتح ہماری ہی رہی گی اسی وجہ سے آپ تنِ تنہا جہاد کو نکل کھڑے ہوئے۔ کیونکہ جس کا حامی خدا ہواس کو کسی کا کیا خوف جب عقلی اسباب کو چھوڑ کر خدائے تعالیٰ پر اتنا بھروسہ اور توکّل ہوتو اس وقت خدائے تعالیٰ مدد فرماتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ یعنی ایمانداروں کی مدد کرنے کا ہم پر حق ہے جب ایسا کامل ایمان ہوتو ممکن نہیں کہ امداد الٰہی نہ ہو۔ اور اگر امداد نہ ہوتو سمجھنا چاہیئے اس میں قصور ہمارا ہی ہے کہ ہمیں پورا یقین نہیں یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس

اعلائے کلمۃ اللہ کا ارادہ فرمایا تھا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی سنت پر عمل کیا۔ بغیر کسی کے بھروسہ کے اشاعت دین کا عزم بالجزم کرلیا۔ اور عملی طریقہ سے یہ تعلیم کردی کہ مرید صادق الاعتقاد کو چاہئے کہ اپنے مرشد کے قدم بقدم اور اس طرح پیروی کرے۔

پیروے باید دریں رہ کش نباشد بیم سر — ورر ودسر بایدش افتد بپائے راہبر

کہ خدا کی راہ میں سب سے بے تعلق ہوجائے اور خیر خواہ ہزار عقلی اور نقلی دلیلیں پیش کریں ایک نہ مانے اور جانبازی پر مستعد ہوجائے

جناب عشق را درگہ بسے بالاتر از عقلست — کسے ایں آستاں بوسد کہ جاں در آستیں دارد

ہر چند نفس **لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا** اور لا رھبانیۃ فی الاسلام اور اسی قسم کے آیات اور احادیث پیش کرے مگر اپنی ہمت اور جزم میں فرق نہ آنے دے۔

وقفۂ یک گام ناجائز بود در راہِ عشق — گر دو صد روباہ بازی عقل در پیش آورد

مسئلہ اتباع پیر

جس قسم کی اتباع صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کیا ممکن نہیں کہ ہر شخص اپنے پیر کی اتباع کرے۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں میں چند ہی افراد ہوتے ہیں جو اس قسم کی اتباع کرکے درجہء ولایت اور صدیقیت کو پہونچتے ہیں۔

نہ ہر قطرہ شود گوہر بہ دریا نہ ہر گوہر برآید درِّ شہوار

ناسخ التواریخ سے ظاہر ہے کہ تخمیناً دو سال ملک عرب میں یہ معرکہ ء کا رزار گرم رہا۔ اور طرفین سے ہزاروں بلکہ لاکھوں نذر قتال و جدال ہوئے پھر بہ مجرد اس کے کہ ملک عرب پر تسلط ہوا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اب ملک کسریٰ و قیصر پر چڑہائی کیجائے انتہیٰ ۔ حالانکہ چند اہل اسلام جن کو اہل عرب کے ساتھ عشر عشیر کی نسبت بھی نہیں کل عرب کے ساتھ مقابلہ کر کے تھکے ہوئے تھے۔ ہنوز ان کے زخم تک چنگے نہیں ہوئے تھے کہ دو بڑے بڑے خونخوار سلطنتوں کے مقابلہ کا حکم دے دیا جن کا یہ حال کہ تمام ملک عرب آبادی کے لحاظ سے انکار دسواں حصہ بھی نہیں ان کے افواج قاہرہ کے مقابلہ میں لشکر اسلام دیکھا جائے تو ہزارواں حصہ بھی نہیں۔ سامان جنگ پر نظر ڈالی جائے تو دونوں میں کوئی نسبت نہیں ۔ ان کے تیروں کو وہاں کے لوگ تکلے کہا کرتے تھے۔ غرضکہ تھوڑی سی شکستہ فوج کو ایسی بڑی سلطنتوں کے مقابلہ میں اس غرض سے بھیجنا کہ ان کو فتح کرلیں کیا کوئی عقل کی بات تھی ۔ اس زمانہ کے عقلا اس خیال پر کس قدر ہنسی اڑاتے ہونگے ۔ مگر یہاں اس کی کچھ پرواہ نہیں۔

طعن و تشنع عوام الناس پیش عاشقاں ایک صدائے بیش نے کو آمد و برباد رفت

بہر حال چاہئے ہے کوئی ہنسے یا روئے۔ راہ خدا میں بڑھتا قدم پیچھے ہٹ نہیں سکتا استقلال کی یہ کیفیت کہ کتنی ہی کثیر التعداد مخالف کی فوج ہو آنکھ نہیں جھپکتی

مژگان بہم نمی زنم از شور رستخیز غوغائے حشر خواب پریشاں عاشق است

در جہاد فوج مخالفت بعضی امور مشروعہ معفو عنہ است

صحابہ نے جب دیکھا کہ آپ کی رائے ظاہراً نرالی اور سراپا خلافِ عقل تو ہوتی ہے۔ مگر قوت ایمان کی وجہ سے اس میں کامیابی بھی ہو جاتی ہے۔ اس لئے بغیر چون و چرا کے اس دفعہ قبول کرلیا۔ اور کسی نے یہ بھی نہ کہا کہ حضرت ہر قوم کے مقابلہ کے لئے اس کے مناسب سامان کرنا شرط عقل ہے اور حق تعالیٰ کا جو ارشاد ہے واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم۔ اس سے بھی اتنی قوت بہم پہونچانے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ دشمنوں کو ہیبت ہو۔ بخلاف اس کے ہماری حالت موجودہ کو دیکھ کر وہ ہنسیں گے۔ اور کہیں گے کہ یہ لوگ بھیک مانگنے کو آرہے ہیں۔ اس بے سرو سامانی میں ان دو سلطنتوں کا مقابلہ کرنا اپنے ہاتھ سے اپنے کو تہلکہ میں ڈالنا ہے جس سے خدائے تعالیٰ منع فرماتا ہے۔ قولہ تعالیٰ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى

التّھـلُک ۃ پھر حق تعالیٰ نے ہم لوگوں پر رحم فرما کہ یہ آسانی کی ہے کہ دو کے مقابلہ میں ایک جائے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اَلْـئٰـنَ خَفَّفَ اللّٰـہُ عَنۡکُمۡ وَعَلِمَ اَنَّ فِیۡکُمۡ ضُعۡفًا فَاِنۡ یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ مِّائَۃ صابرۃ یغلبوا مائتین آپ سو سے زائد کے مقابلہ میں ایک کو بھیجنا چاہتے تھے۔ یہ نہ شرعاً جائز ہے نہ عقلاً۔ اور نبی ﷺ نے ملک کسریٰ وقیصر کے مفتوح ہونے کا وعدہ جو فرمایا ہے وہ صحیح ہے ضرور اس کا ظہور ہوگا۔ مگر یہ نہیں فرمایا کہ جو خلیفہ اول ہو وہی ان پر چڑھائی کرے۔ خواہ ان کے مقابلہ کے قابل قوت ہو یا نہ ہو۔ غرضکہ صدیق اکبرؓ کی ہی بات چل گئی۔ گو خلاف عقل اور معترضوں کے نظروں میں خلاف شرع بھی تھی۔ آپ کے اس عملی ارشاد سے اولیاء اللہ نے یہ سبق حاصل کیا کہ جہادِ نفس میں بھی گو بعض امور خلاف ظواہر نصوص پیش آتے ہیں اور لا رھبانیۃ فی الاسلام کے مخالف معلوم ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ نیت خاص معرفت اور تقریب الی اللہ کی ہوتی ہے اس لئے امید ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے معاف فرمادے۔

کثرت فوج مخالفین در جنگ فلسطین

ناسخ التواریخ میں جنگ فلسطین کے واقعہ میں لکھا ہے کہ عمرو بن العاصؓ

کے ساتھ صرف نو ہزار آدمی تھے۔اور روبلیس جو ہرقل کی طرف سے اس جنگ پر مامور تھا اس کے ساتھ نود ہزار ۹۰۰۰۰ کی جرار فوج تھی۔سخت لڑائی کے بعد روبلیس کی فوج کو شکست ہوئی۔اور دس ۱۰۰۰۰ ہزار سپاہی مارے گئے۔جب یہ خبر ہرقل کو پہونچی تو نہایت غصہ سے اپنے تمام ملک میں احکام بھیج دیئے کہ ہر صوبہ اور علاقہ کے لوگ فوجیں لیکر اجنادین میں ہوں۔اور جنگ کا سامان اعلیٰ پیمانہ پر کریں۔ابوعبیدہؓ جو سپہ سالار لشکر اسلام تھے انہوں نے ابوبکرؓ کو یہ کیفیت مفصل لکھ کر مدد طلب کی۔آپ نے جواب میں لکھا کہ تمہارے لشکر کا ایک ایک شخص ہزار مشرکوں کے برابر ہے تم ہرگز خوف نہ کرو۔کیونکہ خدائے تعالیٰ نے اس ملک کی فتح کرانے کا وعدہ کیا ہے اس کے بعد پانچ ہزار کا لشکر ان کے کمک کو روانہ کیا۔

جواب صدیق رضی اللہ عنہ کہ ایک ایک مسلمان برابر ہزار مشرک است

عموماً ایک ایک شخص ہزار کے برابر ہونا ہرگز قرین قیاس ہو نہیں سکتا البتہ ہزاروں میں ایک آدھ شخص ایسا ہوسکتا ہے۔کہ ہزار کا مقابلہ تنہا کر کے کامیاب ہو۔صدیق اکبرؓ نے جو ہر ایک کی نسبت یہ حسن ظن کیا اس کا

منشا وہی یقین تھا کہ نبی ﷺ نے فرما دیا ہے کہ وہ ملک ضرور فتح ہو کر رہے گا۔اس زمانہ کے لوگ خوارق عادات کا انکار کرتے ہیں ان تاریخی واقعات پر گہری نظر ڈالیں تو یہ کہنا پڑے گا ان معرکوں میں ہر مسلمان سے روزانہ خوارق عادات ظاہر ہوتے تھے۔بشرطیکہ عقل سلیم سے کام لیا جائے۔

نظر باز آنکہ عالم راز جائے خویش می بیند گر نہ چشم اعمیٰ ہم پس پردہ نظر دارد

عموماً خوارق عادات اہل اسلام در جنگہا

ناسخ التواریخ کی جلد دوم صفحہ ۱۶۶ میں لکھا ہے کہ جب ہرقل کو خبر پہنچی کہ تبوک پر آٹھ ہزار آدمی مارے گئے۔اور اہل اسلام عورتیں بچے لئے ہوئے ملک میں دراتے چلے آرہے ہیں۔جیسے کوئی گھر کو جاتا ہے یا اپنے گھر میں پھرتا ہے،اس نے کہا کہ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی برحق ہیں ان پر ایمان لاؤ۔کیونکہ وہ ان ملکوں پر ضرور قابض ہو جائیں گے۔مگر کسی نے نہ مانا سب پر نفریں کرکے روبلیس کو بلایا جو نہایت قوی ہیکل اور جواں مرد شخص تھا۔اس کو لشکر کثیر دے کر اجنادین پر روانہ کیا۔ادھر عمرو بن العاصؓ اپنا لشکر لے کر فلسطین پر پہنچے۔اور یہ شوریٰ ہو رہا تھا کہ کس طریقہ سے جنگ کی جائے۔اتنے میں عامر بن عدی جو مسلمان تھے اور راس سرزمین میں رہتے تھے آئے۔اور کہا کہ لشکر روم

سیلاب کی طرح چلا آرہا ہے۔میں نے بلندی پر سے دیکھا تو میرے اندازہ میں وہ لاکھ سے کم نہیں۔اس وقت بعض اہل اسلام کی رائے ہوئی کہ پیچھے ہٹ کر ان سے جنگل میں لڑنا چاہئے کیونکہ ان کو قلعوں میں لڑنے کی عادت ہے۔عبداللہ بن عمر اور عکرمہ اور سہیل رضی اللہ عنھم نے کہا کہ خدا کی قسم ہم تو یہاں سے کبھی نہ ہٹیں گے ہم بارہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں کفار سے جنگ کرچے ہیں بڑی بڑی فوجوں کے مقابلہ میں ہماری ہی فتح ہوئی جس کو منظور ہو واپس چلا جائے اور جس کا جی چاہے ہماری رفاقت دے۔

مقابلۂ روبلیس افسر ایک لک سوار بافوج قلیل

عمر بن العاص رضی اللہ عنہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے طرف خطاب کرکے کہا۔''ابن الفاروق اَحْسَنْتَ''۔یعنی آپ کی رائے نہایت مناسب ہے اور میرے دل میں بھی یہی بات تھی۔پھر ہزار سواران کی ماتحتی میں دیکر طلیعہ کا کام ان سے متعلق کیا چنانچہ وہ روانہ ہوئے ایک منزل گئے تھے کہ ایک لشکر عظیم الشان نمودار ہوا دریافت سے معلوم ہوا کہ روبلیس جو شجاعت میں مشہور بطریق ہے دس ہزار مرد آزمودہ کار لئے

ہوئے بطور طلیعہ لشکر کے آگے آگے آرہا ہے۔

مقابلۂ ابن عمر رضی اللہ عنہ از روبلیس

ابن عمرؓ نے بہ آواز بلند یہ حدیث پڑھی۔ ان الجنة تحت ظلال السیو فیعنی جنت تلواروں کے سایہ کے تلے ہے۔ پھر ایک ہزار آدمیوں نے ہم زباں ہوکر لا الا اللہ محمد رسول اللہ کا نعرہ بلند کیا۔ اور سب نے ایک بارگی حملہ کردیا۔ ابن عمرؓ نے دیکھا کہ ایک شخص بڑا ہی قوی ہیکل جس کی غیر معمولی جسامت دیکھنے سے حیرت ہوتی تھی۔ فولاد میں غرق۔ ہرطرف گھوڑا دوڑا کر حملے کررہا ہے۔ یہ بطریق سردار لشکر تھا۔ نہایت جواں مردی سے کسی کو جنگ میں اپنا مقابل نہیں سمجھتا تھا۔ ابن عمرؓ نے کہا کہ پہلے اسی کو لینا چاہئے۔ چنانچہ نیزہ کو جنبش دیکر اس کا قصد کیا۔ اور وہ بھی مقابل ہوگیا دیر تک نیزہ بازی ہوتی رہی بطریق نے موقع پاکر نیزہ مارا تھا۔ کہ آپ نے جلدی سے تلوار نکال نیزہ کو دو ٹکڑے کردیئے۔ اور ساتھ ہی تلوار کا وار کیا اگرچہ وہ زخمی نہ ہوا۔ اس وجہ سے کہ فولاد میں غرق تھا۔ مگر تلوار اس زور سے پڑی کہ سنبھل نہ سکا۔ اور گھوڑے سے گر پڑا۔ اس کے ساتھ ہی آپ بھی اپنے گھوڑے سے اترے۔ اور

دوسری ضرب لگائی اور سر کاٹ لیا۔ رومیوں نے جب دیکھا کہ اپنا بہادر سردار مارا گیا ہراساں و پرشاں ہوگئے اور مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا۔ چنانچہ بہتوں کو تہ تیغ کرکے چھ سو ۶۰۰ کو زندہ گرفتار کرلیا۔ اور فتح ہوگئی انتہی ۔ یہ تھا مقضائے عشق جہاں عقل کے پر جلتے ہیں

ثابت قدم براہ طلب عشق میکند عاشق نباشد آنکہ پس وپیش بنگرد

دیکھئے عمرو بن العاصؓ اور ابن عمر وغیرھما رضی اللہ عنہم کو یقیناً معلوم تھا کہ اتنی فوج آگئی کہ اپنے لشکر سے دس حصے زیادہ ہے۔ مگر ذرا بھی خوف نہیں کیا۔ بلکہ صرف اتنی بات پر کہ پیچھے ہٹ کر میدان میں مقابلہ کیا جائے ایسے برہم ہوئے کہ اس خیال کے لوگوں کا لشکر میں رہنا ناگوار ہوگیا۔ اور اس کی کچھ پروانہ کی۔ کہ اگر وہ رنجیدہ ہوکر چلے جائیں تو اپنا ہی نقصان ہے کہ کیونکہ وہ لوگ نوکر تو تھے ہی نہیں جو لڑائی پر مجبور کئے جاتے۔ صرف بات یہ تھی کہ ان کا اعتماد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سچے وعدہ پر تھا کہ مسلمانوں کی فتح ہوگی۔ چاہئے کوئی رفاقت دے یا نہ دے۔ اسی وجہ سے نہایت سختی سے کام لیا۔

بر وعدہ کریم نظر ہر کرا بود کے چشم او بہر کس وناکس نظر کند

ورنہ مقتضائے عقل یہ تھا کہ اس موقع میں نہایت نرمی سے ان کی تفہیم

کرتے تا کہ وہ لوگ بے دل نہ ہوں۔مگر سبحان اللہ وہ حضرات بھی کامل الایمان تھے جانتے تھے کہ اس دینی خدمت سے خدا اور سول کی رضا مندی حاصل کرنی ہے ورنہ علیٔحدہ ہونے کو یہ سخت کلامی اور چلے جانیکی اجازت کافی حیلہ تھا۔شعر

از دوست بری ہستم و نیز از سر دشمن
تا روئے تو بوداست بہ پیش نظرِ من

چو پستاں می مکنداز ذوق زہر آلود پیکانرا
دیار عشق رانازم کہ طفلان ہوسنا کش

ابن عمر اور ابن عاص وغیرہ صحابہ کے نام جب حدیث کی کتابوں میں دیکھے جاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات اپنے گھروں میں یا مسجدوں میں بیٹھ کر لوگوں کی تعلیم یا تلقین کیا کرتے ہونگے۔جس سے احادیث کی حفاظت اور اشاعت ہوئی۔مگر ان حالات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف ملّا ہی نہ تھے۔بلکہ اعلیٰ درجہ کے بہادر سپاہی بھی تھے اور جس طرح علم کی حفاظت واشاعت ان سے متعلق تھی دین کی حفاظت واشاعت بھی ان ہی سے متعلق تھی۔دینی معاملات میں اگر اس قدر تشدد ان کی طبیعتوں میں نہ ہوتا تو دین کا ہم تک پہونچنا ہی دشوار تھا۔اگر سچ پوچھئے تو یہی حضرات عشاق ہیں جن کی شان میں یہ صادق ہے۔شعر

عاشقاں را با مصالح کار نیست
قصد آنہا جز رضائے یار نیست

جس کا ثبوت ان کی سوانح عمری سے بخوبی ہوتا ہے اس صورت میں یہ شعری بھی ان کے حسب حال ہے

در کفے جام شریعت در کفے سندانِ عشق
کارِ ہر کس نسیت ای دل جام وسندان باختن

اگر ہمیں اپنے سچے دین کی قدر ہو تو ہماری انصاف پسند طبیعت ہم کو ان تمام حضرات کی شکر گزاری پر ضرور مجبور کرے گی۔ والدین ہر چند اپنے اقتضائے طبعی کو پورا کرتے ہیں مگر اولاد پر ان کی حق شناسی اور تعظیم فرض کی گئی ہے کیونکہ وہ ہمارے وجود کے باعث ہوئے۔ اسی طرح صحابہ نے گو اپنا فرض ادا کیا جس کے وہ مامور تھے۔ مگر ہم پر ان کی حق شناسی اور تعظیم لازم ہے۔ کیونکہ وہ ہمارے حق میں وجود دین کے باعث ہوئے۔ اگر وہ جانفشانیاں نہ کرتے تو دین ہم تک نہ پہونچتا۔ اگر غور کیا جائے تو ماں باپ سے بھی زیادہ ان کا حق ہے کیونکہ ماں باپ سے ہمارے وجود ہوا۔ اگر یہ وجود بے دینی کے ساتھ فرض کیا جائے ابدالآباد کے لئے وہی وجود وبال جاں ہوگا۔ اب غور کیجئے کہ ان حضرات کی سعی سے ایک ایسی چیز ہمیں ملی کہ جس سے ابدالآباد کی آسایش حاصل ہوسکتی ہے تو کس قدر ان کا احسان ماننا چاہئے۔

مقتضائے طبع حیوان ست شکر محسناں
ہر کہ ایں خصلت ندارد او ز حیواں کمتر است

واقعۂ تعمیر سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ وہ حکم عمر رضی اللہ عنہ

ناسخ التواریخ کے صفحہ ۳۰۵ جلد میں لکھا ہے کہ سعد ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جب ایران اور عراق کے شہروں کو فتح کیا تو عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اس علاقہ میں اکثر عرب بیمار رہتے ہیں۔عمرؓ نے کوفہ کی بینا دڈالنے کا حکم دیا چنانچہ نہایت قرینہ سے شہر کی بینا دڈالی گئی۔اور مکانات بنانے کی عام اجازت ہوگئی۔سعد بن ابی وقاصؓ نے بھی ایک بڑا مکان اپنے لئے بنایا۔اور محل کسریٰ جو مدائن میں تھا اس کا دروازہ لاکر اپنے مکان میں نصب کیا۔یہ کیفیت جب عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی تو آپ سخت ناخوش ہوئے اور ان کے نام خط لکھ کر محمد ابن سلمہ رضی اللہ عنہ کو دیا۔اور فرمایا کہ جس قدر ممکن ہو جلد کوفہ پہونچیں اور پہلا کام یہ کریں کہ سعد کے گھر کو آگ لگادیں تاکہ جس قدر سامان اس میں ہو سب جل جائے۔اور سعدؓ کو صرف خط دیدیں اور کوئی بات نہ کریں۔محمد ابن سلمہؓ بہت جلدی سے کوفہ پہنچے۔اور سیدھے سعد بن وقاص کے مکان پر آئے۔ہر چند ملاقاتی لوگ بہت تھے۔مگر کسی سے کچھ بات نہ کی۔سوائے اس کے کہ ان سے لکڑیاں منگوائیں اور آگ لگادی جس سے سارا مکان جل گیا۔اس کے

بعد عمرؓ کا خط سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ کو دیا اس میں لکھا تھا کہ مجھے یہ خبر پہونچی ہے کہ آپنے ایک عالیشان مکان کسریٰ کے مکان کے جیسا بنایا ہے جس میں محل کسریٰ کا دروازہ بھی نصب کیا گیا ہے۔تا کہ حاجب اور دربان وہاں رہیں اور حاجت منداور مظلوموں کی رسائی نہ ہو۔افسوس ہے کہ تم نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو چھوڑ کر کسریٰ کا طریقہ اختیار کیا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کسریٰ کو اس عظیم الشان مکان اور بلند دروازہ سے نکال کر تنگ وتاریک قبر میں جگہ دی گئی ۔میں نے ایسے شخص کو بھیجا ہے کہ جو تم سے نہ ڈرے۔اور تمہارا گھر جلادے۔تم کو دو حجروں سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔ ایک بیت المال کے لئے اور دوسرا اپنے لئے۔ چنانچہ سعدؓ نے ایسا ہی کیا کہ ایک چھوٹے سے گھر میں خود رہتے۔اور ایک کو بیت المال بنایا۔انتہیٰ

حال سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

سعد ابن ابی وقاص نے کس شوق سے مکان بنایا ہوگا۔جس کا اندازہ ہواس سے ہوسکتا ہے کہ مدائن سے ایوان کسریٰ کا دروازہ لایا گیا ایسا مکان اس بے رحمی سے جلایا گیا کہ اثاث البیت تک نکالنے کی اجازت نہیں خلیفۂ وقت کے پاس سے ایک شخص تنِ تنہا آکر بغیر اس کے کہ جرم

دریافت کریں وہیں کے لوگوں سے جلانے کا سامان مہیا کررہے ہیں جب اس نادر آتش زدگی کی خبر سن کر تماشائیوں کا ہجوم بڑھتا جاتا ہوگا اور کبھی گھر کو دیکھتے ہونگے اور کبھی صاحب خانہ کو۔ تو ان کی کیا حالت ہوگی۔ سعد بن ابی وقاص کوئی معمولی آدمی نہ تھے فاتحِ ملک عجم آپ ہی ہیں جب تک آپ کوفہ کے حاکم رہے یزدگرد بادشاہ عجم آپکے رعب سے دم بخود تھا۔ آپ کے معزول ہوتے ہی خیال کرلیا کہ اب میدان خالی ہے چنانچہ فوج کشی کر کے دھوم مچادیا۔ جس سے مسلمانوں کو مصیبتیں اٹھانی پڑیں ایسے جلیل القدر سپہ سالار کا گھر ایک شخص جلا رہا ہے۔ اور نہ وہ خود دم مار سکتے ہیں۔ نہ ان کی فوج کیا کوئی کہہ سکتا ہے؟ کہ یہ ان کی بُزدلی تھی ہرگز نہیں وجہ اس کی یہی تھی کہ ان حضرات کے نفوس قدسیہ تھے انہوں نے اپنی حمیت غیرت۔ شجاعت کو اسلام کے نذر کردیا تھا۔ شعر

من ہماندم کہ وضو ساختم از چشمۂ عشق — چار تکبیر زدم یکسرہ بر ہر چہ کہ ہست

جب سعد رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اپنے اولوالامر کی اطاعت خدا و رسول کی اطاعت ہے تو وہ آتش زدگی ان کے آنکھوں میں آتش بازی کا نظارہ دکھانے لگی اور خود بھی تماشائیوں کے ساتھ تماشہ دیکھنے میں شریک ہوگئے اور خدائے تعالی کو اپنے دل کی گرم جوشیاں دکھا کر اس

آگ سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتے جاتے تھے کہ بضاعت مزجات یعنے ایک حقیر چیز کے معاوضہ میں رضائے الٰہی جودولت ابدی ہے حاصل ہورہی ہے اور محبتِ اغیار جودل میں گھر بنارہی تھی اس آتشِ کثافت سوز سے فنا ہوتی جاتی ہے۔

آتش عشق تو تا گشت درونِ بدنم آنچہ اندوختہ بودم ہمہ را پاک بسوخت

اور یہ مضمون نصب العین ہورہا تھا۔

ہر کرا خوابگہ آخر بدو مشتِ خاکست گو چہ حاجت کہ برافلاک کشد ایواں را

ازیں رباطِ دودر چوں ضرورت است رحیل رواقِ طاقِ معیشت چہ سر بلند چہ پست

اگرچہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ وہ صحابی جلیل القدر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں ہیں اور حضرت نے ان کو ایک بار فداک ابی وامی کے خطاب سے مشرف فرمایا تھا۔ اور آپ کے لئے دعا کی تھی کہ خدایا تو ان کی دعائیں قبول کر اس وجہ سے ان کی ہر دعا قبول ہوتی تھی باوجود اس کے ان کا گھر جلانے میں ذرا بھی تامل نہ کیا۔ اس وجہ سے کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور جانشین تھے آپ کو اصلاح امت کی ضرورت تھی دیکھا کہ بمقتضائے بشریت دنیا کی طرف کچھ تو وجہ ہو چلی ہے فوراً عملی طریقہ سے اسکی اصلاح کردی اور سمجھا دیا کہ

ازیں رباط دو در چوں ضرورت است رحیل   رواق طاق معیشت چہ سر بلند و چہ پست

کارطفلا نست کردن نقش بر دیوار و در   تا توانی زینہار از کار طفلاں زینہار

شاہ بازِ ہمت خود بر پراں زیں خاکداں   تا کند بر شاخ سدرہ طائر قدسی شکار

اور لکھا کہ تم نے شریعت کو ترک کر دیا اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص حجرۂ مبارک کی یہ کیفیت تھی کہ جلانیکی چند لکڑیاں گاڑ دی گئیں اور انسے کنبلوں کو باندھ دیا وفات شریف تک حضرت کا یہی حجرۂ خاص تھا اور جو ازواج مطہرات کے حجرے تھے ان میں چار حجروں کی دیواریں کچی اینٹ کی تھیں اور سقف کھجور کی شاخوں کا جس پر کیچڑ کا گلابہ کر دیا گیا تھا اور پانچ حجروں کو تو دیواریں بھی نہ تھیں صرف کھجور کی شاخیں گاڑ کر انپر گلابہ کر دیا گیا تھا حضرت امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان کی بلندی اتنی تھی کہ میر سر ان کی چھت کو لگتا تھا اور انکے دروازوں پر تین ہاتھ طول اور ایک ہاتھ عرض کے پردے کنبل کے پڑے رہتے تھے یہ خاص حضرت کے ازواج مطہرات کے حجروں کا حال تھا۔ اور عمر رضی اللہ عنہ بھی عمر بھر چھپّر ہی میں رہے۔

غرضکہ عمر رضی اللہ عنہ جب کسی کو دیکھتے کہ طریقۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف میں کوئی کام کر رہا ہے تو اس کو خلاف شریعت سمجھ کر نہایت سختی

سے پیش آتے اور کسی کی کچھ پرواہ نہ کرتے اس قسم کے آثارِ غیرت محبت سے صادر ہوتے ہیں۔

روض الریاحین میں امام یافعیؒ نے لکھا ہے ذوالنون مصریؒ کہتے ہیں کہ تیہ بنی اسرائیل میں ایک عجوزہ سے ملاقات ہوئی اس ہیبت ناک جنگل میں رہنے کا سبب پوچھا کہا میں جس شہر میں گئی وہاں کے لوگ میرے حبیب کی نافرمانی کرتے ہیں مجھ سے اس کی براشت نہ ہوسکی آخر آبادی کو ترک کردیا۔

ازالۃ الخفا میں مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک روز امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا کہ آپ جو عاملوں سے اقرار لیتے ہیں کہ باریک کپڑے نہ پہنیں اور دروازوں پر دربان نہ رکھیں کیا صرف اس سے آپ کی نجات ہوجائے گی۔آپ کو خبر نہیں کہ ایاز بن غنم جو مصر پر آپ کی طرف سے حاکم ہیں وہ باریک کپڑے بھی پہنتے ہیں اوران انکے یہاں دربان بھی موجود ہے یہ سنتے ہیں آپ نے محمد بن مسلمہ کو بلایا اور کہا کہ تم مصر جاؤ اور جس حال میں وہ ہوں ان کو لے آؤ جب وہ مصر گئے تو دیکھا کہ ان کے دروازہ پر دربان بیٹھا ہے ان کے مکان میں چلے گئے دیکھا کہ باریک کپڑے بھی پہنے ہوئے ہیں ملاقات کے

ساتھ ہی کہا کہ چلئے عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو بلایا ہے کہا اتنی مہلت دیجئے کہ دوسرے کپڑے پہن لوں؟ کہا یہ ممکن نہیں اسی حال پر چلنا ہوگا چنانچہ وہ اسی وقت مصر سے روانہ ہوئے جب عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوے اور اس لباس میں آپنے انہیں دیکھا ایک کنبل کا کرتہ اور ایک لاٹھی اور بکریوں کا ریوڑ منگوایا اور فرمایا کہ اپنا لباس اتار کر یہ کرتا پہنو اور یہ لاٹھی لیکر بکریاں چرایا کرو۔ انہوں نے کچھ جواب نہ دیا فرمایا تامل کیا ہے تمھارے باب بھی بکریاں چرایا کرتے تھے جس کی وجہ سے ان انکا نام غانم تھا انہوں نے کہا اس سے تو موت بہتر ہے اس کے بعد بہت معذرت کی اور قصور معاف کیا گیا۔

کیفیت مکانات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

دیکھئے یہ تشدد اسی وجہ سے تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں باریک لباس نہیں پہنا جاتا تھا اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کنبل ہی کا لباس زیب تن مبارک فرمایا کرتے تھے اس وجہ سے اپنا بھی لباس آپ نے اسی قسم کا رکھا تھا جس کا حال اوپر معلوم ہوا کہ بارہ بارہ پیوند آپ کے کرتہ پر لگے رہتے تھے ہر چند تمام صحابہ نے باصرار کہا کہ لباس

فاخرہ پہنیں اگرچہ متقضائے عقل وہی تھا۔مگراتباعِ نبوی کی یہ اثر تھا کہ دنیاکے تعلقات سے آپ بالکل بری تھےاسی وجہ سے آپ کا یہی خیال تھا کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوراپنے اہل بیت کے لئے فقروفاقہ اختیارفرمایا آپ اورآپ کے اہل بیت بھی اختیارکریں اوردنیا سے کسی قسم کا تعلق نہ رہے ابتدائے اسلام سے آپکی یہی حالت رہی۔

من ہماندم کہ وضوساختم از چشمۂ عشق چارتکبیرزدم یکسرہ بر ہر چہ کہ ہست

سزادادن عمررضی اللہ عنہ فرزندخودرابہ پوشیدن لباس فاخرہ

کنزالعمال کی کتاب الفضائل میں عکرمہ بن خالد سے روایت ہے کہ ایک روزعمررضی اللہ عنہ کے فرزند بالوں میں کنگھی کرکےلباس فاخرہ پہن کرعمررضی اللہ عنہ کے یہاں آئےآپ نے ان کواتنے دُرّے مارے کہ وہ رونے لگے حضرت بیوی حفصہ رضی اللہ عنہا نے مارنیکا سبب پوچھا فرمایاکہ میں نے دیکھاکہ اس کے نفس میں عُجب آگیاہے اس لئے اسکومارکرذلیل کردیاتاکہ عُجب جاتارہے۔انتہٰی

مقصوداس سے یہی تھا کہ یہ خیال نہ پیداہوکہ ہم شہزادے ہیں اسلئے ان کےنفس کی اصلاح کردی اور یہ معلوم کرادیاکہ عشاق الٰہی کی زینت ان چیزوں سےنہیں۔

زینت عاشق پلاس وموئے ژولیدہ بود　　　　نے لباس خوب وزلف عنبرین وخال وخد

داخل بیت المال نمودن عمر رضی اللہ عنہ ہدیہ کو بزوجہ شاں ازنزد پادشاہ آمد بود

کنزالعمال میں یہ روایت بھی ہے کہ ایک بار بادشاہ روم کا برید امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا آپ کی بیوی کو یہ خیال پیدا ہوا کہ یہاں تو کچھ نہیں مل سکتا سلطنت روم سے کچھ منگوالیں۔ چنانچہ ایک دینار قرض لیکر چند شیشیاں عطر کی بادشاہ روم کی بیگم کو بطور ہدیہ روانہ کیں۔ اس کو خوشامد کا موقع مل گیا۔ انہیں شیشیوں میں بیش بہا جواہر ڈال کر آدمی کے ساتھ بھیجا۔ جس وقت اس آدمی نے شیشیاں محل مبارک میں روانہ کیں آپ بھی اتفاقاً وہاں پہونچ گئے۔ اور پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ بی بی صاحبہ نے سب قصہ بیان کیا۔ آپ نے وہ جواہر لے لئے۔ اوران کو بیچکر قیمت بیت المال میں داخل کردی۔ اورایک دینار جو عطر کی قیمت تھی۔ بی بی صاحبہ کو دیا انتھی دیکھے وہ جواہر عطر کی قیمت تھی یا ہدیہ تھے بہر حال شرعاً اس کے لینے میں ظاہراً کوئی حرمت کی وجہ نہیں۔ مگر عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بھی جائز نہ رکھا۔ اسی وجہ سے کہ فقر وفاقہ جو سنت نبوی ہے فوت نہ ہوجائے اور مال

وزر سنگِ راہ مقصود نہ ہو جائیں۔

رہ روان عشق را با دولت دنیا چہ کار پاک میدارند اینان راہ را از سنگ وخار

اب غور کیجئے کہ ہم لوگوں کی عقلوں میں اور ان حضرات کی عقلوں میں کس قدر تفاوت ہے۔ ادنیٰ تامل سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ہم لوگوں کی عقلیں دنیاوی ہیں۔ اور دینی عقلیں انہی حضرات کی تھیں اور اس سے ظاہر ہے کہ جس قدر دین کو دنیا پر فضیلت ہے۔ اسی قدر دینی عقل کو دنیاوی عقل پر واقعی فضیلت ہوگی۔ جس کو دیندار لوگ جانتے ہیں۔

عقل باید کہ راہبر باشد نہ کہ از رہ بردد بستان غول

ناسخ التواریخ کی جلد دوم میں لکھا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ جب حج کو گئے تو ایک شخص نے فریاد کی کہ عمرو بن العاص جو فاتح مصر اور وہاں کے صوبہ دار ہیں۔ ان کے بیٹے محمد نے مجھ سے مسابقت میں شرط لگائی جب میرا گھوڑا آگے بڑھ گیا تو انہوں نے معتبر لوگوں کے مجمع میں غصہ سے مجھے کوڑا مارا۔ میں نے ان کے والد کے پاس فریاد کی۔ انہوں نے مجھے قید کردیا۔ اب چار مہینے کے بعد میں چھوٹ کر آیا ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص اور ان کے بیٹے کو بلوایا اور بعد ثبوت اس فریادی سے فرمایا کہ اپنا بدلہ لے لے۔ چنانچہ اس نے محمد بن عمرو العاص کو کوڑا مارا

پھر عمرو بن العاص کو نزدیک بلایا۔فریادی نے کہا اے امیر المومنین ! یہ معزز شخص ہیں ان کو ماریئے مت۔فرمایا جس طرح انہوں نے تجھے قید کیا ہے میں ان کو قید کر دیتا ہوں کہا میں نے اپنا حق معاف کر دیا اس وقت آپنے ان کو اجازت دی۔انہوں نے کہا آپ نے مجھے سخت ذلیل کیا ۔اب میں آپ کی حکومت میں خدمت نہ کرونگا۔آپنے فرمایا تمھیں اختیار ہے۔جہاں جی چاہئے چلے جاؤ۔انتہیٰ کنز العمال میں بھی یہ روایت ہے ادنیٰ غیر معروف آدمی کے مقابلہ میں اس قدر ذلیل اور بے دل کرنا ہرگز عقل گوارا نہیں کرتی۔مگر عمرؓ کو عقل کی پابندی سے کیا تعلق وہ تو ہر حال میں پابند شرع شریف تھے۔اور یہ انہی کی خصوصیت نہیں۔کل خلفائے راشدین کا یہی حال تھا۔چنانچہ کنز العمال کی کتاب القصاص من قسم الافعال میں ابن شہاب سے روایت ہے کہ ابوبکر عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم سے اگر کسی قسم کی زیادتی کسی پر ہو جاتی تھی تو اس کو کہہ دیتے کہ ہم سے بدلہ لیلو۔مگر وہ رعایت کر جاتے تھے۔اسی میں یہ روایت ہے کہ طارق کہتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کسی کو ایک طمانچہ مارا۔اس کے بعد اس کو بدلہ لینے کو کہا۔مگر اس نے معاف کر دیا۔اور اسی میں یہ روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو کسی اشتباہ میں بلوایا۔اتفاقاً وہ عورت حاملہ

تھی۔ راستہ میں خوف کے مارے اس کا حمل ساقط ہوگیا۔اور بچہ دو چیخیں مار کر مر گیا۔عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے فتویٰ پوچھا۔انہوں نے کہا کہ آپ والی ہیں۔ادب دنیا آپ کا کام ہے اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں۔ علی کرم اللہ وجہہ خاموش تھے۔عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔آپ اس باب میں کیا کہتے ہو۔کہا۔ان صاحبوں نے اگر اپنی رائے سے کہا ہے تو خطا کی۔اور اگر آپ کی خاطر سے کہا ہے تو آپ کی خیر خواہی نہیں کی میری رائے میں آپ اس کی دیت ادا کریں۔ کیونکہ آپ کی وجہ سے اس کا حمل ساقط ہوگیا ہے چنانچہ آپ نے دیت ادا کرنے کا حکم دیا۔انتہیٰ۔دیکھئے صرف اس خیال سے کہ آپ کے خوف سے حمل ساقط ہوگیا دیت ادا کردی۔حالانکہ آپ نے نہ اس کو مارا۔نہ اس سے کوئی بات کی۔جب اپنی ذات پر ایسے احتیاطی احکام شرعی نافذ کرتے تھے۔تو جہاں صراحتاً ظلم وزیادتی ہوتو اس میں رعایت کی کیا توقع رہی مصلحت اندیشی کہ کسی جلیل القدر عہدہ دار کی دلشکنی ہوتو انتظام ملکی میں خلل واقع ہوگا سو اس کی کچھ پرواہ نہ تھی۔

گر صد ہزار خاطر اغیار بشکند	بہتر از انکہ خاطر آں یار بشکند
راست ناید مصلحت اندیشی اندر راہ عشق	عاشقانرا مصلحت غیر از رضائے دوست نیست
عاشق کہ بود مضطر در راہ طلب ہر دم	رسوائے جہاں باشد در مصلحت اندیشی

وہاں تو ہمیشہ یہی خیال تھا کہ اگر تمام عالم سے انقطاع ہو جائے تو قبول۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا سلسلہ ہاتھ سے جانے نہ پائے۔ علی کرم اللہ وجہہ کی راست گوئی اس واقعہ سے ظاہر ہے۔ کہ سب صحابہؓ ایک طرف ہیں۔ کہ عمر رضی اللہ عنہ پر دیت نہیں آتی۔ اور علی کرم اللہ وجہہ ایک طرف بلا ردو رعایت صاف فرماتے ہیں کہ خلیفہء وقت پر دیت کی ادائی لازم ہے۔ اب اسی پر غور کیا جائے کہ ایسے راست گو جو اظہار حق کو اپنا فرض منصبی جانتے تھے کیا اپنا حق طلب کرنے میں خاموش رہ سکتے تھے ہرگز نہیں۔ صاف فرمادیتے کہ جناب اوروں کے حقوق تو آپ بہت ادا کرتے ہیں۔ مگر ہمارا اتنا بڑا حق خلافت غصب کر بیٹھے ہو اس کو پہلے ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ کنز العمال میں یہ روایت بھی ہے کہ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ ایک خوش مزاج شخص تھے۔ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں باتیں کرکے لوگوں کو ہنسا رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کوکھ میں انگلی ماری۔ انہوں نے عرض کی۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپنے مجھے دکھ دیا۔ فرمایا تم بدلا لے لو۔ کہا آپ نے جب مجھے انگلی چھبائی میرے جسم پر کپڑا نہیں تھا اور آپ قمیص پہنے ہوئے ہیں۔ حضرت نے قمیص ہٹا دیا انہوں نے ساتھ ہی جسم

مبارک کے بوسہ لینے شروع کئے۔اور عرض کی میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔اس درخواست سے میرا مقصود یہی تھا کہ یہ دولت حاصل کروں۔انتہیٰ۔اس قسم کے اور کئی واقعات کنز العمال میں مذکور ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اگر بظاہر کسی پر کچھ زیادتی ہو جاتی تو فوراً آپ بدلہ لینے کو فرما دیتے۔اہل انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ جس ملک میں ہر ادنیٰ اپنے اعلی درجہ کے شخص بلکہ خلیفۂ وقت سے زیادتی کا بدلہ لے سکے تو وہاں کس درجہ امن و آسایش ہوگی۔عمر رضی اللہ عنہ کو منظور تھا کہ ملک میں تمدن شرعی قائم کریں۔جس سے ملک آسودہ حال رہے۔اس لئے جو شخص کسی پر کچھ زیادتی کرتا بعد دریافت فوراً انتقام لیتے۔خصوصاً حکام سے انتقام لینے میں تو بہت ہی اہتمام تھا۔کیونکہ حکومت کا نشہ اکثر آدمی کو بدمست بنا دیتا ہے۔

عاملاں درزمانِ معزولی بشر حافی و بایزید شوند

چوں بیایند باز بر مسند شمر ذی الجوشن و یزید شوند

قصاص گرفتن عمر رضی اللہ عنہ از ابوموسیٰ حاکم بصرہ

کنز العمال میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ جہاد میں ایک شخص تھا۔انہوں نے اس کو غنیمت کا

حصہ تو دیا مگر کچھ کم۔اس نے کہا میں اپنا حصہ پورا لونگا۔اس پر انہوں نے اسے بیس ۲۰ کوڑے مارے اوراس کا سر منڈوادیا۔اس نے وہ بال اٹھالئے اور سیدھا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہونچا۔اور روبرو کھڑا ہوکر آپ کے سینہ پر وہ بال پھینک مارے۔پوچھا قصہ کیا ہے۔اس نے پورا واقعہ بیان کیا۔آپ نے اسی وقت ابوموسیٰ اشعری کے نام خط لکھا کہ فلاں شخص نے تم پر یہ فریاد کی ہے۔تمھیں میں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اگر تم نے وہ کام مجمع کیا ہے تو مجمع میں بیٹھ کر اپنے سے قصاص لو۔اور اگر تنہائی میں کیا ہے تو تنہائی میں۔ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ وہ حکمنامہ پڑھتے ہی قصاص کے لئے بیٹھ گئے۔جب اس شخص نے دیکھ لیا کہ حکم کی تعمیل کی مستعد ہوگئے ہیں اس وقت اس نے کہا کہ میں نے آپ کا قصور معاف کردیا۔انتہیٰ۔دیکھئے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ صوبہ بصرہ کے حاکم اور وہاں کی فوج کے افسر اعلیٰ تھے۔ایک ادنیٰ سپاہی کے ساتھ جو معاملہ کیا تھا اس کا انتقام یہ ہورہا ہے کہ وہ سپاہی ان کو بیس ۲۰ کوڑے مارنے اور سنڈ ھنے کے لئے کھڑا ہے۔اور آپ مجمع عام میں اس کے روبرو سر دیئے بیٹھے ہیں۔اور مجال نہیں کہ چوں وچرا کرسکیں۔آخر اسی نے منت رکھ معاف کردیا۔یہ عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت تھی۔کہ غائبانہ صدہا کوس پر بااقتدار حکام آپ کے

حکم کے مقابلہ میں دم نہیں مار سکتے تھے۔

ہیبت حق است ایں از خلق نیست ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

کیوں نہ ہو یہ آپ کے صدق اور سچی اتباع کا اثر تھا۔ جس نے خویش و بیگانہ کو آپ کی نظر میں ایک بنا دیا تھا۔

جاری نمودن عمر رضی اللہ عنہ بر فرزند خود

کنز العمال صفحہ نمبر ۳۵۵ کی کتاب الفضائل میں اسلمؒ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عمرو بن العاصؓ سے سنا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد کسی کو میں نے نہیں دیکھا جو عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ خوف خدا رکھتا ہو۔ ان کی یہ حالت تھی کہ حقوق کے معاملہ میں نہ بیٹے کی رعایت کرتے نہ باپ کی۔ پھر عمرو بن العاصؓ نے خدا کی قسم کھا کر یہ واقعہ بیان کیا کہ میں جب حاکم مصر تھا ایک روز مجھے ایک شخص نے خبر دی کہ عبداللہ اور عبدالرحمٰن عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا کہاں ٹھیرے ہیں کہا فلاں مقام میں۔ جو مصر کی انتہائی آبادی میں ہے۔ چونکہ اس سے پہلے مجھے عمر رضی اللہ عنہ نے لکھ دیا تھا۔ کہ اگر وہاں میرے اہل بیت سے کوئی آئیں اور تم ان کے ساتھ کوئی خصوصیت کا برتاؤ کریں جو اوروں کے ساتھ نہیں کرتے تو یاد

رکھنا کہ میں تمھیں وہ سزا دونگا جس کے تم لائق سمجھے جاؤ گے اس وجہ سے میں ان کے پاس نہ کچھ ہدیہ بھیج سکا نہ ملاقات کی۔ ایک روز میں مکان میں بیٹھا تھا کہ آدمی نے کہا کہ عبدالرحمٰن بن عمر اور ابو سروعہ دروازہ پر کھڑے ہیں۔ اور اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ میں نے اجازت دی۔ دیکھا کہ دونوں نہایت شکستہ حال اور پریشاں بال ہیں۔ آتے ہی ان دونوں نے کہا کہ ہم پر حد شرب جاری کیجئے کیونکہ ہم نے رات میں شراب پی جس سے نشہ بھی ہو گیا تھا۔ میں نے دونوں کو جھڑک کر کہا چلو یہاں سے نکل جاؤ۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ اگر آپ حد جاری نہ کرو گے تو میں اپنے والد سے کہہ دونگا۔ میں نے سوچا کہ اگر عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہو گئی تو وہ ضرور مجھے معزول کر دیں گے۔ ہم اس حیص وبیص میں تھے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ آئے میں ان کی تعظیم کے لئے کھڑا ہوا صدر مجلس میں بٹھانا چاہا۔ انہوں نے کہا کہ والد نے مجھے تقید کی ہے کہ جب تک اشد ضرورت نہ ہو آپ کے پاس نہ جاؤں۔ چونکہ اس وقت مجھے اشد ضرورت پیش آئی ہے۔ اس لئے میں آپ کے پاس آیا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ میرے بھائی عبدالرحمٰن کو جس طرح چاہیں حد ماریں مگر لوگوں کے روبرو ان کا سر نہ منڈائیں (اس زمانہ میں حد شرب کے بعد سیاستہ سر بھی منڈایا

جاتا تھا) وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے گھر کے صحن میں ان پر حد جاری کئے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں کو ایک حجرہ میں لیجا کر سر مونڈا۔

سختی نمودن عمر رضی اللہ عنہ بر فرزند خود

بخدا میں اس واقعہ کا ایک حرف بھی عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں لکھا مگر ان کا فرمان پہونچا جس میں لکھا تھا اے ابن العاص مجھے تم سے تعجب ہے جو تم نے مجھ پر جرات کی اور خلاف عہد کیا۔تم جانتے ہو کہ میں نے تمہارے مقابلہ میں اصحاب بدر جو تم سے بہتر ہیں ان سے مخالفت کی اور تمھیں وہاں کا حاکم بنایا۔اس خیال سے کہ تم میرے عہد پر قائم رہو گے اور میرا حکم جاری کرو گے مگر میں دیکھتا ہوں کہ تم بھی ملوث ہو گئے۔اب میری رائے اسی پر قرار پائی ہے کہ تمھیں معزول کردوں۔اس وجہ سے کہ تم نے عبدالرحمٰن کو اپنے گھر میں لیجا کر حد ماری۔اور اپنے گھر میں ان کا سر منڈا۔عبدالرحمٰن تمہاری رعایا میں سے ایک شخص تھا۔تمھیں چاہئے تھا کہ جس طرح تمام مسلمانوں کے ساتھ معاملہ کیا کرتے تھے اس کے ساتھ بھی کرتے۔مگر تم نے خیال کیا کہ وہ امیر المومنین کا لڑکا ہے۔تمھیں معلوم ہے کہ حقوق اللہ کے معاملہ میں میں کسی کی رعایت پسند نہیں

کرتا۔اب یہ خط پہونچتے ہی تم عبدالرحمٰن کوصرف ایک عبا دیکر اونٹ کی پیٹھ پراس طرح کہ اس پر کجاوہ بھی نہ ہوسوار کر کے میرے پاس روانہ کردو تاکہ وہ اپنے کیئے کی سزا بھگتے۔وہ کہتے ہیں کہ میں نے انہیں اسی طرح روانہ کردیا۔اورعبدالرحمٰن بن عمرکووہ خط دکھایا۔اورجواب میں لکھا کہ حدود عام طور پراپنے مکان کے صحن میں ہی مارا کرتا ہوں۔اس میں ان کی کوئی خصوصیت نہ تھی۔راوی کہتے ہیں کہ جب عبدالرحمٰن عمر رضی اللہ عنہ کے روبروآئے اس حالت میں کہ ان پرصرف ایک عبا تھااورسواری کی تکلیف کی وجہ سے چل نہیں سکتے تھے عمر رضی اللہ عنہ نے آتے ہی ان کو مارنا شروع کیا۔ہر چند عبدالرحمٰن بن عوف نے بہت کچھ کہا کہ امیرالمومنین ایک بارحدان پرجاری ہوچکی ہے دوبارہ حد مارنا کیسا؟ مگرکچھ التفات نہ کیا اور عبدالرحمٰن چیخ چیخ کر کہتے تھے کہ حضرت میں بیمار ہوں کیا آپ مجھے قتل ہی کرڈالوگے۔مگر آپ نے کچھ توجہ نہ کی۔اور پوری حد مار کے قید کردیا۔اس کے بعد وہ بیمارہوئے اور انتقال ہوگیا۔اناللہ واناالیہ راجعون،ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ توصحیح ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن کودوبارہ حد ماری اورقید کردیا۔مگر یہ لوگوں کا خیال ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے دروں سے وہ مرے سووہ غلط ہے۔کیونکہ قید سے رہائی کے بعد

ایک مہینہ تندرست رہے اس کے دوسری بیماری سے ان کا انتقال ہوا۔ انتہی

وجہ تشدد نمودنِ عمر رضی اللہ عنہ

بہر حال عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند پر ضرورت سے زیادہ سختی ضرور کی مگر یہ دیکھنا چاہئے کہ کیا ان کو مہر پدری نہ تھی؟ کیا وہ نہیں جانتے تھے کہ دوبارہ حد مارنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر عقل معاد سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ کمال مہر پدری سے یہ کام کیا گیا۔ اس واسطے حق تعالیٰ فرماتا ہے ’’یَـآ اَیُّھَـا الَّـذِیْـنَ اٰمَـنُـوْا قُـوْا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَـارًا ‘‘یعنی اے مسلمانو اپنی ذاتوں کو اور اپنی اہل کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ معمولی حد حرکات ناشائستہ سے روک نہیں سکتی۔ اسی وجہ سے رات کو وہ شراب پیکر صبح ہی بطوع ورغبت از خود حد جاری کرانے چلے گئے۔ جب ان کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ اس قسم کے ناجائز حرکات صادر ہو جائیں تو ایسی سخت سزائیں بھگتنی پڑیں گی تو ممکن نہیں کہ شہوات نفسانیہ اس خوف کے مقابلہ ان پر غلبہ کریں۔ غرض کہ آپنے دیکھا کہ اپنے اہل کو دوزخ سے بچانے کا کوئی طریقہ اس سختی سے بہتر نہیں۔ اس لئے مکرر سخت سزا دی۔ اب کہئے کہ یہ ان کی خیر خواہی تھی یا

بدخواہی۔اس سے یہ بات بھی بشرط تعمق نظر ثابت ہوسکتی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عموماً جو سختی کا اصول اختیار فرمایا تھا۔اس میں سب کی خیر خواہی ملحوظ تھی۔ چنانچہ تمام ملک میں امن وامان قائم ہوگیا۔کہ کوئی کسی پر ظلم وتعدی نہیں کرسکتا تھا جس سے مظلوم دنیوی مصائب سے بچے اور ظالم اخروی عذابوں سے محفوظ رہے۔

بعدل اربگیر دوداد آوری — وگر نایداز سروران خودسری

بہ آسائش وامن خلق خدا — کند حاصل از زندگی نفعہا

صرف اس سے ظلم کا انسداد نہ ہوا۔ بلکہ ہر شخص پر آپ کی ایسی ہیبت طاری تھی جو ہر قسم کے ممنوعات مکرہاوت سے بچانے کا اعلیٰ درجہ کا ذریعہ تھا۔چنانچہ ناسخ التواریخ صفحہ نمبر ۲۱۸ جلد دوم میں لکھا ہے کہ عرب میں یہ ضرب المثل مشہور ہوگئی تھی **درة عمر اهيب من سيف الحجاج** یعنی عمر رضی اللہ عنہ کا درہ حجاج کی تلوار سے بھی زیادہ ہیبت دار ہے۔

﴿نرمی نمودن عمر رضی اللہ عنہ در بعض موقع﴾

ہر چند بعض لوگ عمر رضی اللہ عنہ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ فظ غلیظ القلب تھے مگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو یہ الزام ان پر عائد نہیں ہوسکتا۔اس لئے کہ اگر یہ ان کی طبعی صفت ہوتی تو ہر موقع میں اس کا ظہور

برابر ہوتا۔ حالانکہ متعدد روایتوں سے ثابت ہے کہ حق بات کے مقابلہ میں وہ معترف قصور اور نادم ہوجاتے تھے۔ جس سے ظاہر ہے کہ شریعت کا غلبہ آپ پرا کہ نفسانیت نام کو نہ تھی اور دوست دشمن یکساں تھے۔ نہ بیٹے پر رحم تھا نہ دشمن پر سب اگر غضب ہے تو خدا کے لئے اور رحم ہے تو خدا کے لئے۔ آپ کی یہ حالت تھی۔

رفتم از خویش وز فرزند و پدر آزادم   تا ز فیضش بہ رہ عشق قدم بنہادم

یہی وجہ تھی کہ علی کرم اللہ وجہہ آپ کے مداح تھے۔ چنانچہ ناسخ التواریخ صفحہ نمبر ۵۱۲ جلد دوم میں لکھا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے عبداللہ بن عامر کو جو حکومت دی ہے اس پر لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس قسم کے لوگوں کو حکومت دی تھی۔ آپ نے کہا عمر رضی اللہ عنہ نے جس کو امارت دی اگر وہ خلاف عدل کوئی کام کرتا اس کو ضرور سزا دیتے۔ اور عذاب وعقوبت سے ہرگز معاف نہیں کرتے تھے اور آپ کا یہ حال ہے کہ اپنے قرابت داروں کی رعایت کرتے ہو۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا آپ کو معلوم ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کی حکومت دی تھی۔ علی کرم اللہ وجہہ نے کہا اے عثمان رضی اللہ عنہ! میں آپ کو قسم دیکر پوچھتا ہوں۔ کیا

آپ کو معلوم نہیں؟ کہ معاویہ عمر رضی اللہ عنہ سے کیسا ڈرتے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ کا غلام برفا ان سے جتنا ڈرتا تھا اس سے بھی زیادہ معاویہ ان سے ڈرتے تھے اور اب معاویہ کا یہ حال ہے کہ جس پر چاہتے ہیں ظلم وزیادتی کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے کیا۔

﴿سزادان عمر خالدابن والیدرا بجرم دادن زد کثیر بہ شاعرے﴾

ناسخ التواریخ صفحہ نمبر ۳۴۷ جلد دوم میں لکھا ہے کہ جب ملک شام خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جاں بازیوں سے فتح ہوا اور لوگ ان کو مبارک باد دینے لگے۔ اور ہر طرف ان کی شجاعت کے چرچے ہونے لگے۔ عمر رضی اللہ عنہ کو خیال پیدا ہوا کہ کہیں وہ ملک کے مالک نہ بن بیٹھیں۔ اور سابق سے بھی دلوں میں صفائی نہ تھی۔ اس لئے قابو جو تھے کہ ذرا بھی موقع مل جائے تو ان کو معزول کر دیں۔ اس اثناء میں ایک شاعر نے ان کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا۔ اور انہوں نے اس کے صلہ میں دس ہزار درہم دیئے یہ کیفیت معلوم ہوتے ہی ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ تم ان کو قنسرین سے جہاں کے وہ حاکم تھے اپنے پاس حمص میں طلب کرو۔ اور ایک عام جلسہ کر کے ان کو کھڑے کر کے اظہار لو۔ کہ یہ دس ہزار درہم جو شاعر کو دیئے گئے تم کہاں سے لائے۔ اگر جواب دینے میں تاخیر کریں تو ان کی ٹوپی

اتار لیجائے اور انہی کا عمامہ ان کے گلے میں ڈالکر ایک شخص ان کو پکڑا رہے۔ اس وقت تک کہ اظہار دیں۔ پھر اگر کہیں کہ وہ مال غنیمت کا تھا ان سے دس ہزار درہم وصول کر کے بیت المال میں داخل کر دو۔ اور اگر کہیں کہ اپنا ذاتی تھا تو ان کو اسراف ان کے اعتراف سے ثابت ہو جائیگا۔ جس کی نسبت حق تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ اس وقت ان کو میرے پاس روانہ کردو کہ انحراف کی سزانہیں دی جائے۔ یہ خط ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو پہونچتے ہی انہوں نے خالد رضی اللہ عنہ کو قنسرین سے طلب کیا۔ جب وہ آئے تو تمام لشکر کی صف بندی کر کے ان کو کھڑا کیا۔ اور پہلے عمر رضی اللہ عنہ کا حکم نامہ سنایا۔ اس کے بعد ان سے پوچھا کہ تم نے دس ہزار درہم جو شاعر کو دیئے وہ کہاں سے لائے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جواب میں تامل کیا۔ فوراً بلال رضی اللہ عنہ نے اٹھکر ان کے سر سے ٹوپی اتار لی اور انہیں کا عمامہ ان کے گلے میں ڈال کر یہ کہتے ہوئے کھینچنے لگے کہ جب تک تم جواب نہ دوگے تمھیں ہرگز نہ چھوڑونگا۔ خالد رضی اللہ عنہ اسی حالت میں دیر تک ساکت کھڑے رہے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا ائے خالد کچھ تو کہو خاموشی کب تک۔ خالد رضی اللہ عنہ نے کہا وہ درہم میرے ذاتی تھے اس وقت بلال

رضی اللہ عنہ نے ان کو چھوڑ کر ٹوپی دے دی۔اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان کو عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ طیبہ کو روانہ کر دیا جب وہ دار الخلافت میں پہنچے عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اے خالد تم نے اتنا مال کہاں سے جمع کیا۔ کہ ایک شخص کو ایک قصیدہ کے صلہ میں دس ہزار درہم دے دیئے۔ کہا وہ مال حلال تھا جو اپنے قوت بازو اور زور شمشیر سے میں نے حاصل کیا تھا۔جس طرح دوسرے سپاہیوں نے بھی حاصل کیا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ان کا کل مال تو لا جائے چنانچہ اسی ہزار درہم نکلے فرمایا بیس ہزار درہم بیت المال میں داخل کر لئے جائیں اور باقی مال ان کو دے دیا۔اس پر لوگ بہت رنجیدہ ہوئے۔اور کہا کہ یہ کام حسد سے کیا گیا۔ کہ ان کے ہاتھ پر اتنے فتوحات ہوئے۔عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز خطبہ میں کہا۔ اے لوگو! یہ خیال مت کرو کہ میں خالد پر خفا ہوں۔اصل یہ ہے کہ جب فتوحات ان کے ہاتھ پر ہونے لگے لوگ ان پر شیفتہ ہو گئے۔اور کہنے لگے کہ یہ فتوحات صرف ان کی جواں مردی اور ان کی تدبیر سے ہوئے اور خدا سے لوگ بالکل غافل ہو گئے۔اس لئے میں نے خالد کو ذلیل کیا تا کہ لوگ خدائے تعالیٰ کو نہ بھولیں۔اور نصرت اسی سے طلب کریں۔انتہیٰ۔

﴿حال صبر و استقلال خالد رضی اللہ عنہ و وجہ آں﴾

یہ واقعہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ازالۃ الخفا اور علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ کامل میں لکھا ہے۔ مگر فرق اتنا ہے کہ مصنف ناسخ التواریخ نے اپنے اجتہاد سے اس کی وجہ قائم کی کہ عمر رضی اللہ عنہ نے حسد اور بغض سے یہ کام کیا اور عمر رضی اللہ عنہ نے جو وجہ بیان کی اس کو نظر انداز کر دیا۔ بہرحال اس میں شک نہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ظاہراً یہ ایسی حرکت کی کہ کوئی عاقل نہیں کرسکتا۔ کیونکہ خالد رضی اللہ عنہ کی شجاعت غیرت حمیت جن کا حال سب جانتے ہیں۔ اور آئندہ اس رسالہ میں بھی کچھ لکھا جائے گا۔ ہرگز اس کے محتمل نہیں ہوسکتی۔ کہ تمام فوج اسلامی میں جو ان کی ماتحتی میں کام کرچکی تھی اس قدر بے عزتی کی جائے وہ خالد بن ولید سیف اللہ تھے جن کی تلوار نے عراق و شام کا فیصلہ کر دیا تھا۔ کسی ادنی آدمی کا نفس بھی اس قسم کی ذلت گوارا نہیں کرسکتا۔ عزت دار لوگ اپنی آبرو کے مقابلہ میں جان کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ اور حدیث شریف سے بھی ان کو لڑنے اور جان دینے کی اجازت تھی۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من قتل دون مالہ وعرضہ

وھو شھید (یعنی جو شخص اپنی آبرو کے لئے مارا جائے وہ شہید ہے اور اگر وہ بے عزتی قبول نہ کر کے دست بہ شمشیر ہو جاتے تو ابو عبیدہ اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مجال نہ تھی کہ ان کے مقابلہ میں حرکت کر سکتے۔ پھر یہ فحوائے کلام صاحب ناسخ التواریخ سب مسلمان بھی آپ ہی کے طرفدار تھے۔ جو کہتے تھے کہ یہ کام حسد سے کیا گیا۔ پھر خود لشکر میں ان کے قبیلہ کے لوگ اور دوست بہت سے موجود تھے۔ جو ان کے ساتھ ایک ایک شخص ہزار ہزار کے مقابلہ میں جاتا تھا۔

﴿سبب تحمل خالد رضی اللہ عنہ﴾

غرض کہ یہ کام ایسے فتنہ کا محرک تھا کہ مسلمان اس سے تہلکہ میں پڑھ جاتے مگر سبحان اللہ باوجود اتنے اسباب کے ایک ضعیف القوی شخص بلال رضی اللہ عنہ سر مجلس ہزار ہا کے مجمع میں ان کی ٹوپی اتار لی۔ اور گلے میں رسی باندھ کر سخت توہین کی اور ناشائستہ الفاظ کہے مگر کسی نے دم نہ مارا۔ الفاروق میں مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے کہ اس وقت خالد رضی اللہ عنہ نے یہ کہا امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ کو شام کا افسر مقرر کیا اور جب میں نے تمام شام کو زیر کر لیا تو مجھ کو معزول کر دیا۔ اس فقرہ پر ایک

سپاہی اٹھ کر کھڑا ہوا اور کہا کہ اے سردار چپ رہو ان باتوں سے فتنہ پیدا ہوسکتا ہے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں۔ لیکن عمر رضی اللہ عنہ کے ہوتے فتنہ کا کیا احتمال ہے یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ کس چیز نے خالد رضی اللہ عنہ کو اس موقع میں کوہ تمکین بنا دیا تھا کیونکہ سیف اللہ کی نسبت جبن کا احتمال ہی نہیں ہوسکتا۔ معمولی عقلیں ہرگز اس کا واقعی سبب نہیں بتلاسکتیں۔ کیونکہ وجدانیات سے وجدان جب تک آشنا نہ ہو نہیں معلوم ہوسکتیں اگر ہجڑے سے جماع کی لذت پوچھی جائے تو وہ ہرگز نہیں بتلاسکتا۔ بلکہ کہنے کے بعد بھی اس کی تصدیق نہ کریگا۔ البتہ مرد بالغ اس کی حقیقت جانتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ بالغ العقل ہیں اور عقل معاد رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ خالد رضی اللہ عنہ کے دل پر اس وقت کس چیز کا اثر اور استیلا تھا جس نے شجاعت اور حمیت کو حرکت کرنے سے روک دیا۔ سب سے قوی اور بڑا سبب ایمان اور خدا و رسول کے حکم کی اطاعت تھی۔ کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ’’ وَاَطِيْعُوا للّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ ‘‘۔ یعنی خدا ورسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا مت کرو ورنہ بزدل ہوجاؤ گے اور تمہاری ہوا جاتی رہے۔ اور صبر کرو یقیناً اللہ صبر کرنے

والوں کے ساتھ ہے۔ انتہی۔

﴿ثبوت مراقبہ﴾

خالد رضی اللہ عنہ اس وقت اس آیت شریف کے مراقبہ میں مشغول تھے۔ اور خدائے تعالیٰ سے مدد مانگ رہے تھے۔ کہ الٰہی اس موقع میں صبر عطا فرما۔ ایسا نہ ہو کہ بمقتضائے طبیعت و بشریت امیر المومنین کے حکم کے مقابلہ میں کوئی ناشائستہ حرکت سرزد ہو جائے جس سے منازعت باہمی پیدا ہو۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہو کہ مسلمانوں کی ہوا بگڑ جائے۔ اور یہ کی کرائی محنت اکارت جائے دیر تک جو سکوت تھا وہ آیہ موصوفہ کا مراقبہ تھا مگر جو لوگ اس کوچہ کے نہیں وہ کیا جانیں ان کو تو مراقبہ کے نام سے وحشت ہوگی اور فرمادیں گے کہ یہ کیا لکھ دیا۔ خالد اور مراقبہ وہ تو مرد میداں تھے۔

﴿معنی مراقبہ﴾

مراقبہ خانقاہوں میں رہنے والے صوفیوں کا کام ہے فی الحقیقت یہ لفظ صوفیہ کے بول چال میں مستعمل ہے اور انہی کی اصطلاح ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہر قوم اور ہر علم وصنعت وحرفت میں خاص خاص اصطلاحیں ہوا کرتی ہیں۔ صوفیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے افعال

واقوال واحوال واعمال قلبیہ پرغور کرکے ہرایک کے مقابلہ میں ایک ایک لفظ کو جو اس معنی پر دال تھا خاص کردیا۔تاکہ بول چال میں سہولت ہواور فہم معنی میں غور وتامل کی ضرورت نہ ہو۔خالد رضی اللہ عنہ تو ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ہر مسلمان جولکھا پڑھا اور قرآن وحدیث کو سمجھتا ہے خاص خاص موقع میں کسی نہ کسی آیت پر ضرور غور کرتا ہے اسی کا نام مراقبہ ہے۔غرض کہ کسی خاص مضمون پر آدمی پوری توجہ اور غور کرے تو اس کو اصطلاح صوفیہ میں مراقبہ کہتے ہیں۔بشرطیکہ دین سے اس کو لگاؤ ہواب کہئے اگر خالد رضی اللہ عنہ نے مراقبہ کیا تو کونسی تعجب کی بات ہوئی اس قسم کے مراقبے تمام صحابہ کیا کرتے تھے۔جس کا حال ہم نے مقاصد الاسلام کے حصہ دوم میں لکھا ہے۔اگر تھوڑی تکلیف گوارا کرکے اس کو مطالعہ فرمالیں تو یہاں کا مضمون آسانی سے سمجھ میں آجائیگا۔ماحصل اس کا یہ ہے کہ یہ حضرات ہمیشہ کسی نہ کسی مراقبہ میں رہا کرتے تھے۔

در خلوت وجلوت زتو گفتیم وشنیدیم خالی نبود از تو دمے انجمن ما

مسئلہ بیعت

دوسرا سبب یہ تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پرانہوں نے روحانی بیعت کرلی تھی کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ جب مسند خلافت پر متمکن ہوئے خالد رضی

اللہ عنہ دارالخلافت میں نہ تھے اس لئے انہیں مشافہتہً بیعت کرنیکا موقع نہیں ملا تھا اور جب خلیفۂ وقت کی خلافت تسلیم کرلی گئی تو وہی حکماً بیعت ہوگئی بہرحال معنوی اور روحانی بیعت ہوچکی تھی اور بیعت سے پھر جانا نہایت مذموم ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ''اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عَاھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا''، یعنی جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں۔ وہ تمھارے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتے بلکہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے پھر جو کوئی بیعت توڑ دے اس نے اپنا ہی نقصان کیا اور جس نے وہ معاہدہ پورا کیا جو خدا کے ساتھ کیا تھا تو ہم اس کو بڑا ہی اجر عنایت کرینگے۔ انتہٰی

عرب میں دستور تھا کہ جب کوئی شخص کسی چیز کو کسی کے ہاتھ بیچتا ہے تو پہلے اس چیز کی قیمت مقرر کی جاتی اس کے بعد بیچنے والا کہتا ہے کہ میں نے اس قیمت پر اس چیز کو بیچا اور خرید کرنے والا کہتا ہے کہ میں نے اسے خرید لیا۔ اس کے بعد ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہے یہ علامت اس بات کی تھی کہ طرفین سے معاہدہ ہوا اور یہ معاہدہ اور وعدہ مکمل

ہوگیا۔اور طرفین سے کوئی وعدہ خلافی نہ کریگا نہ بائع چیز دینے سے انکار کرے گا نہ مشتری قیمت ادا کرنے سے یہ عام دستور تھا کہ جس وعدہ کو مستحکم کرنا منظور ہوتا تو ہاتھ میں ہاتھ ملا کر وہ وعدہ کیا کرتے تھے جیسا کہ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے۔عدۃ المومن کاخذ الکف یعنے مسلمان کا وعدہ ہاتھ میں ہاتھ ملانے سے کم نہیں اس لئے بیع میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا کہ طرفین سے جو وعدۂ خرید وفروخت ہوا ہے وہ ضرور پورا کیا جائیگا اسی ہاتھ میں ہاتھ ملانے کا نام بیعت ہے۔ چنانچہ لسان العرب میں لکھا ہے البیعۃ الصفقۃ علی ایجاب البیع اور صفقہ کے معنی منتہی العرب میں لکھا ہے۔ یک بار دست زدن در بیع ۔غرضکہ لفظ بیعت عرب میں بیع وشریٰ کے موقع میں مستعمل تھا اسی بناپر حق تعالیٰ بیعت اسلامی میں بھی یہی طریقہ اختیار فرمایا۔اس آیۃ شریف سے صرف اسی قدر معلوم ہوا کہ مسلمان بیعت کیا کرتے تھے۔یعنے کسی چیز کو بیچتے اور ہاتھ میں ہاتھ ملا کر اس کو موکد کرتے تھے مگر یہ معلوم نہیں ہوا کہ بائع کون ہے اور مشتری کون اور کس چیز کو بیچے تھے سو اس کا ذکر دوسری آیۃ شریف میں ہے۔ جو ارشاد ہے ''اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ،، یعنی خدا نے مسلمانوں کی جان ومال کو جنت کے بدلے خرید

لیا۔انتہیٰ ۔اس سے ظاہر ہے کہ مسلمان بائع ہیں اور خدائے تعالیٰ مشتری اوران کی جان ومال مبیع اور جنت قیمت ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام احکام الٰہی مسلمانوں کو پہونچا دیئے ۔اور یہ بھی معلوم کرادیا کہ اگرتم یہ سب کام کروگے تو خدائے تعالیٰ تمھیں جنت دے گا تو مسلمانوں نے بصدق دل اس کوقبول کرلیا۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہماری ذاتوں میں اور مالوں میں جوتصرف خدائے تعالیٰ نے کیا ہے۔کہ فلاں کام اپنے اعضا سے کرو۔اورفلاں مت کرو۔اور مال فلاں امور میں خرچواورفلاں میں مت خرچوسب ہمیں قبول ہے۔ہمیں یہ نہ کہیں گے کہ ہمارے مال میں یہ تصرف کیوں کیا جاتا ہے کہ اس میں سے ایک حصہ خدا کی راہ میں دیں۔یا اسراف نہ کریں۔اور ہمارے نفوس میں یہ تصرف کیوں کیا جاتا ہے کہ اپنی خواہشوں کوروکیں اور مثلاً حسد وبغض وغیرہ سے احتراز کریں۔غرضکہ حق تعالیٰ نے جتنے خواہشات وصفات آدمی میں پیدا کئے سب میں اپنا تصرف جاری فرمایا۔مثلاً فلاں قسم کی بات کروفلاں قسم کی بات نہ کرو۔اسی طرح دیکھنے سننے کھانے پینے وغیرہ امور طبعیہ میں ایک ایک حد مقرر کردی۔اور حکم دیا کہ انہیں امور میں ان کو استعمال کریں۔جن کی اجازت ہے۔اسی طرح کل خواہشوں سے متعلق

احکام شرعیہ مقرر کئے اور نیز جتنے صفات پیدا کئے مثلاً سخاوت۔ شجاعت۔ دوستی۔ دشمنی۔ وغیرہ سب میں ایک ایک حد مقرر کردی۔ مثلاً دوستی رکھو تو خدا کے واسطے اور دشمنی رکھو تو خدا کے واسطے۔ علیٰ ہذا القیاس کل امور طبعیہ کا حال یہی ہے کہ مطلق العنانی کے ساتھ مسلمان کوئی کام نہیں کرسکتا۔ ہر کام میں جو طریقہ بتایا گیا اسی طریقہ پر وہ کام کرنا چاہئے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اب نہ ان کے نفوس ان کے ہیں نہ ان کے اموال۔ بلکہ وہ سب ان کے پاس امانت ہیں جس طرح امانتی چیزوں کو آدمی خود مختاری سے اپنے خواہشوں میں استعمال نہیں کرسکتا بلکہ انہی کاموں میں استعمال کرسکتا ہے جن کی اجازت مالک نے دی ہو اسی طرح مسلمان ہاتھوں سے مثلاً کام لیں تو وہی جن کی اجازت ہے۔ پاؤں سے کام لیکر کہیں جائیں تو وہیں جہاں جانیکی اجازت ہے۔ آنکھوں سے کام لینا چاہیں تو وہی چیزیں دیکھیں جن کے دیکھنے کی اجازت ہے کانوں سے سننا چاہیں تو وہی باتیں سنیں جن کے سننے کی اجازت ہے۔

خیال سے کام لینا چاہیں تو وہی خیال کریں جو منع نہیں۔ جان دینا چاہیں تو اسی موقع میں جہاں جان دینے کی اجازت ہے۔ الحاصل ان احکامات کے مقرر کرنے سے ثابت ہوگیا کہ جان و مال سب خدا کی ملک

ہیں ہمارے اختیار میں صرف بطور امانت دیئے گئے ہیں نہ جان پر ہمارا خودمختارانہ تصرف رہا نہ اعضا پر نہ مال پر۔ جب ان باتوں کو مسلمانوں نے قبول کرلیا تو گویا یہ کہہ دیا کہ ہم نے اپنی جان و مال جنت کے معاوضہ میں خدا کے ہاتھ بیچ دیا۔اس کے جواب میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے''اِنَّ اللّٰہَ اشْتَـرٰی مِنَ الْمُوْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃ''یعنی تم نے اگر جان و مال کو بیچ دیا تو ہم نے بھی بمعاوضہ جنت خریدلیا۔اس سے ظاہر ہے کہ مسلمان بائع ہیں۔اور خدائے تعالیٰ مشتری۔اور جان و مال مبیع ہیں اور جنت ان کی قیمت۔جب یہ قرار طرفین سے ہوچکا تو حسب عادت صفقہ اور بیعت یعنی ہاتھ میں ہاتھ ملانے کی ضرورت ہوئی تاکہ بیع وشراء پوری اور حتمی وعدہ ہوجائے۔اب مسلمان تو اس صفقہ کے لئے ہاتھ بڑھا سکتے ہیں مگر خدائے تعالیٰ کی شان نہیں کہ اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھے۔اس لئے ارشاد ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ ملانے کی ضرورت ہوئی تاکہ بیع وشراء پوری اور حتمی وعدہ ہوجائے۔ اب مسلمان تو اس صفقہ کے لئے ہاتھ بڑھا سکتے ہیں مگر خدائے تعالے کی شان نہیں کہ اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھے۔اس لئے ارشاد ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو ہمارا ہاتھ سمجھ لو۔اوران کی بیعت کو ہماری بیعت

چنانچہ ارشاد ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یعنے اے نبی جو لوگ ظاہراً آپ کے ہاتھ میں ہاتھ ملاتے ہیں وہ آپ کا ہاتھ نہیں ہمارا ہاتھ ہے۔ ’’یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ‘‘ کیونکہ پیش تر ہی سے مبیع اور اس کی قیمت کا تصیفہ ہو چکا ہے۔ اب اگر کوئی اس بیعت کو توڑ دے اور اپنی جان و مال میں اپنی ذاتی خواہش اور خود مختارانہ تصرف کرنے لگے۔ اور یہ بھول جائے کہ وہ بطور امانت ہمارے پاس ہیں تو اس کا نقصان اسی کو ہوگا کہ ہم بھی قیمت یعنی جنت نہ دیں گے۔ کما قال فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ اور جو شخص اس وعدہ کو جو ہاتھ میں ہاتھ دے کر کیا تھا جس سے تکمیل بیع ہو چکی تھی پورا کرے تو ہم اس کو اجر عظیم دیں گے‘‘ کما قال اللہ تعالٰی وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عَاھَدُ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا‘‘۔ آیت موصوفہ سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالٰی کے طرف سے بیعت کرنے والوں کے ہاتھ میں ہاتھ ملاتے تھے۔ اور آپ کا ہاتھ خدائے تعالٰی کا ہاتھ سمجھا جاتا تھا۔ اور یہ مقصود تھا کہ خدائے تعالٰی وعدہ کرتا ہے کہ تم نے اپنے جان و مال کو خدا کے ہاتھ بیچ دیا تو خدائے تعالے بھی ان کی قیمت ادا کردیگا یعنی جنت دیگا۔ ظاہراً اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیعت خاص ہوگی

کیونکہ یُبَایِعُوْ نَکَ کا خطاب خاص حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔اور یہ تشریف کہ آپ کا ہاتھ خدائے تعالیٰ کا ہاتھ ہے حضرت ہی کے لئے زیبا ہے مگر جب خلفائے راشدین نے بھی بیعت لی۔اور اس سے بھی یہی مقصود تھا کہ اہل اسلام معاہدہ پر قائم رہیں۔اور خدائے تعالیٰ کے طرف سے خلفائے کرام وعدہ کر کے اس بیع وشراء کو مستحکم کریں تو اس سے معلوم ہوا کہ ''یَدُاللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیُھِم'' بھی وہاں صادق ہے اس لئے کہ یہ بیع وشراء کوئی نئ نہیں۔بیع وہی جان ومال ہیں۔اور قیمت وہی جنت۔ کیونکہ ان حضرات کا مقصود اس بیعت سے یہی تھا کہ مسلمان خدا اور رسول کی اطاعت کریں۔پھر جب دنیا دار بادشاہ بھی بیعت لینے لگے اور اس سے ان کا مقصود اسی قدر تھا کہ ہم کو مستقل بادشاہ مانو۔اور ہماری اطاعت کرو۔خواہ موافق شریعت حکم دیں یا مخالف ورنہ ہم تمھیں قتل کرڈالیں گے تو یہ بیعت وہ نہ رہی۔جس میں جان ومال کے معاوضہ میں جنت تھی۔اس وجہ سے یہاں ''یَدُاللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیُھِم'' صادق نہیں آسکتا چونکہ وہ بیعت جو سنت نبوی تھی اس زمانہ میں فوت ہونے لگی تو بزرگان دین نے اس بیعت کا طریقہ جاری کردیا۔اور اپنے مریدوں کو تلقین کی۔کہ اپنی جان ومال خدا کے ہاتھ بیچ دو۔یعنی احکام الٰہی کی تعمیل کرو تو تمھیں خدائے تعالیٰ

جنت دیگا۔ جب انہوں نے قبول کر کے بیعت کی یعنی ہاتھ میں ہاتھ ملایا اوران حضرات نے بھی خدا کی طرف سے ہاتھ میں ہاتھ ملایا تو وہ اصلی بیعت پوری ہوگئی۔اب اگر کوئی بیعت کے وقت ان امور کا لحاظ نہ رکھے اور وہ غرض جس کے لئے بیعت موضوع تھی فوت ہوجائے تو وہ بیعت بھی مثل بیعت سلاطین ہوجائے گی جس کو دین سے کوئی تعلق نہیں۔اس سے ظاہر ہے کہ اگر کوئی پیر جی اپنے مریدوں کو احکام شرع شریف ادا کرنے سے روکیں یا توجہ نہ دلائیں۔اور یہ تلقین کریں کہ نماز، روزہ، حج، وزکوۃ، جو قرآن، وحدیث، وفقہ میں مذکور ہیں کوئی چیز نہیں بلکہ ان کا مطلب ہی کچھ اور ہے۔

﴿وجہ حدوث بیعت ومشائخین﴾

اور ظاہر شریعت بیکار چیز ہے تو اس بیعت کو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے کوئی علاقہ نہیں اس لئے مسلمانوں کو مشائخین کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے وقت یہ خیال کرنا ضرور ہے کہ ہم نے اپنی جان ومال کو خدائے تعالیٰ کے ہاتھ بیچ دیا ہے۔اور پیر صاحب بھی یہی تعلیم وتلقین کریں کہ اب تمھیں ضروری ہے کہ ہر کام میں اپنی خواہشوں کو چھوڑ کر

خدااور سول کی مرضی کے مطابق کام کیا کرو۔

﴿واقعہ متعلق آیۃ ان اللہ اشتریٰ﴾

روض الریاحین میں امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عبدالواحد ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم ایک روز اپنی مجلس میں بیٹھے ہوئے تیاری جہاد میں مشغول تھے ایک شخص نے یہ آیت پڑھی۔ ''اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃ'' ایک جوان لڑکا جس کی عمر ۱۵ سال کی ہوگی اٹھا اور کہا کہ اے عبدالواحد کیا اللہ تعالیٰ نے ہماری جان و مال کی جنت کی عوض میں خرید لیا۔ میں نے کہا ہاں۔ کہا میں آپ کو گواہ رکھتا ہوں کہ میں نے اپنی جان و مال کو جنت کے بدلہ میں اللہ تعالے کے ہاتھ بیچ دیا۔ میں نے کہا تلوار کی دھار بہت سخت ہوتی ہے۔ اور تم لڑکے ہو شاید صبر نہ کرسکو گے کہا کیا اب میں اس بیع کو چھوڑ سکتا ہوں۔ یہ ہرگز نہ ہوگا۔ غرض اس لڑکے نے تمام مال جو اس کی میراث میں ملا تھا خیرات کر کے آمادہ سفر ہوگیا۔ جس روز ہم لوگ جہاد کے لئے نکلے وہ بھی گھوڑے پر سوار اور مسلح ہوکر ہمارے ساتھ ہولیا۔ راستہ میں اس کی یہ حالت تھی کہ دن کو روزہ رکھتا اور رات کو نماز پڑھتا اور ہماری

حفاظت بھی کرتا۔ جب ہم دار الروم میں پہنچے۔اور دشمن کا لشکر نمودار ہوا۔اس لڑکے نے لشکر کفار پر حملہ کر کے نو آدمیوں کو قتل کیا۔اور خود بھی شہید ہوگیا۔ حالت نزع میں جب ہم اس کے نزدیک پہنچے تو دیکھا کہ مارے خوشی کے اس کی ہنسی تھم نہیں سکتی تھی۔ چنانچہ اسی حالت میں اس کا انتقال ہوگیا۔انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ سچی یہ بیعت تھی جس طرح صحابہؓ اپنی جان و مال سے اپنا تصرف اٹھا لیتے تھے ان بزرگوں نے بھی ایسا ہی کیا بیعت یعنی بک جانا اوراس کے لوازم پورے کرنا ایک سخت کام ہے اور اگر لوازم پورے نہ کئے جائیں یعنی اپنی خواہشوں کے مطابق کام کرنے لگیں تو بیعت ٹوٹ جائے گی اولیاء اللہ کو درجہ ولایت وتقریب الٰہی اس وجہ سے حاصل ہوا اور ہوتا ہے کہ بیعت کو انہوں نے پوری کی۔اور کرتے رہتے ہیں۔الحاصل خالد رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ پیر کامل یعنی خلیفہ وجانشین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ جب بیعت کی وہ خدا کے ہاتھ پر بیعت ہوچکی۔اس کے بعد اگر حمیت اور غیرت شجاعت وغیرہ سے اپنے نفسانی خواہش کے مطابق کام لیا جائے تو وہ بیعت ٹوٹ جاتی ہے اور جب بیعت ٹوٹ گئی تو قیمت یعنی جنت کا استحقاق باقی نہیں رہتا اور عمر بھر کی جانفشانیاں اکارت جاتی ہیں۔اس لئے اس ذلت پر صبر

کرنا ان پر آسان ہوگیا ورنہ ممکن نہیں کہ فاتح عراق وشام ہزاروں ہم چشموں کے مجمع میں کھڑے رہ کر اظہار دیں۔اور ایک ضعیف آدمی ان کے گلے میں رسی ڈال کر کھینچے۔اورٹوپی سر سے اتار لے اور وہ دم نہ ماریں یہ صرف اسلام کی برکات ہیں جونفسانی خواہشوں کو پامال کر کے مہذب بنادیتا ہے یہاں ایک بات اور معلوم ہوئی کہ حق تعالیٰ نے جو صحابہ کے حالات کی خبر دی ہے ’’وَالَّذِیۡنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَھُمۡ‘‘۔یعنی صحابہ کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں رحم دل۔اس سے اس کیفیت کا مشاہدہ بھی ہوگیا۔عمر رضی اللہ عنہ نے جو اسراف کی سزادی وہ بھی بجا تھی کیونکہ ان کو یہ کہنے کی مجال ہی نہ تھی کہ ہم اپنے مال کے مختار ہیں اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ وہ اب اپنا مال رہا ہی نہیں۔وہ تو جنت کے معاوضہ میں بک گیا۔جس کو خدا کے جانب سے خلیفہ برحق نے مول لے لیا اسی وجہ سے انہوں نے قبول بھی کرلیا۔اس سے ظاہر ہے کہ پیر کامل کو اپنے مرید کے مال میں تصرف کرنے کا حق ہے جیسا کہ بعض اولیاء اللہ سے مروی ہے۔مگر یہ نہیں کہ خودغرضی سے تصرف کرے۔اسی وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا مال بیت المال میں داخل کردیا۔جس سے عمر رضی اللہ عنہ کو کوئی ذاتی فائدہ مقصود نہ تھا۔خالد رضی اللہ عنہ نے جو اس ذلت کی حالت میں کہا

کہ عمر رضی اللہ عنہ کے ہوتے فتنہ کا کیا احتمال ہے۔ اس سے عقلاً اندازہ کر سکتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کا انتظام پوری سلطنت میں کس قدر ہوگا۔ کیونکہ یہ اس وقت کہہ رہے ہیں کہ فتنہ پیدا ہونے کا ظن غالب ہوگیا تھا۔ کیونکہ ایسے شخص کو ذلیل کرنا جس کو موافق و مخالف نے بڑے بڑے سلطنت کا فاتح تسلیم کرلیا تھا۔ اور اس مقام میں کہہ رہے ہیں جو مدینہ منورہ سے صدہا کوس پر واقع ہے۔ یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ خالد رضی اللہ عنہ کو کیونکر معلوم ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فتنہ کا احتمال نہیں۔ حالانکہ ناسخ التواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کو لوگ فظ غلیظ القلب کہتے تھے اور وہ عام ناراضی کا سبب ہوتا ہے جس کا ثبوت خود قرآن شریف سے ملتا ہے کہ حق تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرمایا ''وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ''۔ یعنی اگر آپ سخت گو اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے۔ پھر آپ کے کام بھی ایسے ہوتے تھے۔ جو دل شکنی کے اسباب ہیں۔ چنانچہ واقعات مذکورہ سے ظاہر ہے۔ پھر خالد رضی اللہ عنہ نے جو کہا اسی کے موافق ظہور میں بھی آیا۔ اس لئے آپ کے پورے زمانہ خلافت میں کوئی فتنہ پیدا نہیں ہوا۔ حالانکہ آپ کے زمانہ میں کل وہ بہادران اسلام موجود

تھے۔جنہوں نے عرب عراق شام مصر وغیرہ کو فتح کیا۔اور بعد کی خلافتوں میں ان میں کے اکثر حضرات معرکوں میں شہید ہو گئے۔اور بعض انتقال کر گئے۔باوجود اس کے ان خلافتوں میں بہت سے فتنے پیدا ہوئے۔ان تمام امور پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خالد رضی اللہ عنہ نے یہ خیال کیا کہ اپنا دل جس میں خوف و ہراس کا گزر رہی نہیں۔عمر رضی اللہ عنہ کے نام سے گھبراتا ہے اور ہیبت ورعب اس قدر طاری ہوتا ہے کہ بات کرنی مشکل ہو جاتی ہے تو اس سے وہ سمجھ گئے کہ اس میں عمر رضی اللہ عنہ کے فعل کو کوئی دخل نہیں۔یہ صرف ہیبت حق ہے۔

ہیبت حق است ایں از خلق نیست ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

﴿معنی آیت وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾

اس پر انہوں نے قیاس کیا کہ آپ کے خلافت میں ممکن نہیں کہ کوئی فتنہ پرداز سر اٹھا سکے۔یہ بات تو قرآن شریف سے بھی ثابت ہے۔جو حق تعالیٰ فرماتا ہے"وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى"۔یعنی جب ائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم نے بدر کی لڑائی میں ایک مٹھی کنکریاں کفار پر پھینک ماریں وہ تم نے نہیں پھینکا۔اللہ نے پھینکا۔ہر چند کنکریوں کو پھینکنا یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل تھا۔مگر حق تعالیٰ وہ فعل اپنے طرف

منسوب فرماتا ہے اور اس کی تصدیق بھی اس طرح ہوگئی کہ ایک مٹھی کنکریاں تمام لشکر کفار کے آنکھوں میں لگیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل برائے نام تھا۔ دراصل وہ فعل الٰہی تھا۔ اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ کے افعال ہی سمجھے جاتے تھے۔ کیونکہ باجود اس تذلیل وتوہین کے شجاعان عرب میں سے کسی نے آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ کیا وہ تاثیر بندوں کے فعل میں ہوسکتی ہے۔ یہ اللہ کے ہی فعل کی شان ہے۔ کہ سب کو مقہور اور مسخر بنادے کیوں نہ ہو عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ عنہ کے خلیفہ جانشین اور ظل اللہ تھے۔ اسی وجہ سے ان کو اس قسم کے حکم کرنے میں تامل نہیں ہوتا تھا۔

نائب حق آں عمر بے قال وقیل   کار پیغمبر کند بے جبرئیل

﴿گرفتن عمر رضی اللہ عنہ نصف مال از عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ﴾

اس وقت وہ مغلوب الحاصل ہوجاتے تھے۔ چونکہ یہ امور اسرار الٰہی ہیں۔ اولیاء اللہ کی کتابوں میں ان کا مفصل حال معلوم ہوسکتا ہے۔ ہمیں یہاں اسی قدر بتلانا منظور ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی وہ ہیبت تمام مسلمان وکفار کے دلوں میں تھی جس کا منشاء ایک غیر معمولی قوت تھی۔ ناسخ التواریخ کے جلد دوم صفحہ نمبر ۳۹۱ میں لکھا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کو کسی نے خبر دی کہ عمر

و بن عاص رضی اللہ عنہ نے بے حساب مال جمع کرلیا ہے آپ نے ان کو خط لکھا کہ اتنا مال تمہارے پاس کہاں سے آ گیا۔ انہوں نے لکھا کہ ایسے ملکوں میں ہم نے جہاد کیا جہاں بے انتہا نعمتیں تھیں۔ ان کو فتح کر کے غنیمتیں حاصل کیں۔ یہ مال غنیمت ہے مال خیانت نہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان باتوں سے مجھے کوئی کام نہیں۔ محمد بن سلمہ کو میں نے بھیجا ہے جتنا تمہارا مال ہے اس کا آدھا بیت المال میں داخل کردو انہوں نے آدھا مال داخل کردیا انتہیٰ۔ اگرچہ صاحب ناسخ التواریخ نے لکھا ہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مال داخل تو کردیا مگر عمر رضی اللہ عنہ پر محمد بن سلمہ کے روبرو بہت کچھ لعن وطعن کیا۔ قرائن سے یہ بات قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی۔ اس لئے کہ مال جان سے زیادہ عزیز نہیں ہوا کرتا۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی یہ حالت تھی کہ عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر ایسے مواقع مہلکہ میں داخل ہو جاتے تھی کہ ان کے خطر جاں ہونے میں ذرا بھی شک نہیں ہوسکتا جیسا کہ شام و مصر کے معرکوں سے واضح ہے۔

اور اس پر کبھی لعن وطعن نہیں کیا۔ پھر یہ کیونکر خیال کیا جائے کہ آدھا مال داخل بیت المال کرنے پر انہوں نے لعن وطعن کیا ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ مال جانے کا صدمہ آدمی پر ہوتا ہے مگر جب صدہا نظیریں ہمارے

روبرو ہیں کہ صحابہ کی حالت ہی جدا تھی۔ان کی عقلیں ہی دوسری قسم کی ہوگئی تھیں جن کا سمجھنا ہماری عقلوں سے دشوار ہے تو اب ہم اپنے حالات پر ان کے حالات کو کیونکر قیاس کرسکیں جس طرح انہوں نے اپنی جان کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا تھا۔اس طرح اگر مال کو بھی ایک قسم کا وقف کر دیا ہو تو کیا تعجب۔عمرو بن عاص جانتے تھے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے وہ مال خود بھی نہیں لیا بلکہ بیت المال میں داخل کرنے کو کہا اور بیت المال اسلام کی تائید کے لئے مقرر ہے تو کیا تعجب کہ وہ نہایت خوشی سے دئے ہوں۔کیونکہ تائید اسلام تو ان حضرات کی فطرت میں داخل ہوگئی تھی۔

اس وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ نے بھی جرأت سے حکم دے دیا کہ آدھا مال بیت المال میں داخل کردو۔ورنہ قاعدہ شرعی یا عقلی کے رو سے ان پر جبر ہو نہیں سکتا تھا۔

﴿نگرفتن عمر رضی اللہ عنہ جواہر گنج بجیرجان و تقسیم نمودنش بہ لشکر﴾

عمر رضی اللہ عنہ ایک صوفی شخص تھے۔ان کے نزدیک مال کی کوئی وقعت نہ تھی۔چنانچہ ناسخ التواریخ جلد دوم صفحہ نمبر ۴۰۹ میں لکھا ہے کہ جب نہاوند فتح ہوا تو ایک شخص سائب رضی اللہ عنہ کے پاس آکر پوچھا۔کیا آپ بادشاہ عرب کی طرف سے غنیمتوں پر مقرر ہیں۔کہا ہاں کہا اگر آپ مجھے اور میرے اہل و عیال اور قبیلے کو امن دیتے ہو تو گنج بجیرجان آپ کو

بتا تا ہوں ۔آپ نے کہا کہ میں کیا جانوں اس خزانہ میں اس قدر روپیہ ہے یا نہیں ۔کہ اس کے معاوضہ میں ایک قبیلے کو امن دیا جائے ۔اس نے واقعہ بیان کیا کہ (یزدجرد) بادشاہ عجم (بجیر جان) کی عورت پر عاشق ہوا جو اس کا وزیر تھا۔اور نہایت بیش بہا جواہر اور بہت سا مال اپنی معشوقہ کے معاوضہ میں دے کر بجیر جان سے اس کو طلاق دلوائی ۔بجیر جان اس لڑائی میں مارا گیا۔اب وہ خزانہ جہاں مخزوں ہے میں جانتا ہوں بشرط امن آپ کو میں دکھلا دیتا ہوں ۔سائب رضی اللہ عنہ اس کو اور اس کے لوگوں کو امن دے کر تن تنہا اس کے ہمراہ اس خزانہ پر گئے اس کو نکال کر چھپا رکھا جب غنائم تقسیم ہوئے تو خمس غنیمت لے کر عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے جب آپ نے مسجد میں جا کر کل مال غنیمت تقسیم کر دیا۔اس وقت سائب رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کے کان میں اس کی حقیقت بیان کی ۔عمر رضی اللہ عنہ نے اسی وقت جواہر کا صندوق منگوا کر حضرت علی ۔عثمان ۔طلحہ ۔اور زبیر رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اپنی مہریں اس پر کر دو۔اور سائب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ واپس جاؤ۔اور بصرہ یا کوفہ میں جہاں لشکر ہو یہ جواہر بیچ کر اس کی قیمت اہل لشکر کو تقسیم کر دو۔پھر ان سے کہا کہ اے سائب تمھیں ایسی کیا ضرورت تھی کہ مجھے دوزخ میں ڈالنے کی فکر کی ۔غرض وہ جواہر بیچ

کر اس کی قیمت لشکر میں تقسیم کی گئی۔باوجود یہ کہ آدھی قیمت پر وہ بکے۔جب بھی ہر سوار کے حصہ میں چار ہزار درہم آئے۔انتھٰی۔دیکھئے ان جواہر کا حال نہ اہل لشکر کو معلوم تھا نہ اور کسی کو۔سائب رضی اللہ عنہ نے اس راز سر بستہ کو صرف عمر رضی اللہ عنہ کے کان میں کہا تھا۔مگر آپنے اس کا خیال تک آنے نہ دیا۔کہ آیا کسی حیلہ شرعی سے اپنے تصرف میں اسے لا سکتے ہیں یا نہیں اور کم سے کم بیت المال یعنی خزانہ شاہی میں داخل کیا جائے تو کیا نقصان ہے کیونکہ مسلمانوں کو وہ غنیمت میں تو ملا ہی نہ تھا بلکہ یہ سنتے ہی فوراً واپس کر دیا۔اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک مال کی کیا وقعت تھی۔غرضکہ ان حضرات کی حالت ہی نرالی تھی۔اس وجہ سے نہ اس حکم کی حقیقت معلوم ہوسکتی ہے جو عمر رضی اللہ عنہ نے آدھا مال دینے کو لکھا۔اور نہ عمرو بن عاص کے قبول کرنے کی اصلی وجہ معلوم ہوسکتی ہے۔ایسے موقع میں اپنے طبیعتوں پر ان کی طبیعتوں کو قیاس کرنا بے موقع ہوگا۔شعر

نہ ہر زن زنست و نہ ہر مرد مرد   خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

﴿واپس گرفتن نشان اخترے از سعید ابن خالد و خوشنودی شان براور﴾

تاریخ واقدی اور ناسخ التواریخ کی صفحہ نمبر (۱۶۵) جلد دوم میں لکھا ہے کہ جب مکہ معظّمہ وغیرہ سے لوگ آمادہ جہاد ہوکر آئے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ

نے سعد بن خالد کی درخواست پر ان کو نشان دیا۔اور دو ہزار لشکر کی سپہ سالاری دی۔عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ سعد کو ایسے لوگوں کا افسر بناتے ہو جو ان سے افضل ہیں۔ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر ان سے نشان واپس منگوا کر عمرو بن عاص کو دیا اور افسر بنایا سعد نے کہا مجھے اس کی کچھ پروا نہیں۔خدا کی قسم جس جنگ میں میں لڑونگا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نشان کے تلے لڑونگا۔کیونکہ میں نے اپنے نفس کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کے والد کو بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے معزول کر دیا تھا۔اس کا بھی ان کو رنج تھا۔مگر باوجود کہ رنج پر رنج ان کو ہوتا گیا۔اور شکستہ خاطر تھے۔اگر جہاد میں نہ جا کر واپس ہو جاتے تو ان پر کوئی مواخذہ نہ تھا کیونکہ وہ نوکر نہ تھے اپنی خوشی سے آئے تھے۔مگر بات یہ ہے یہ عاشق جاں باز تھے۔ان کو ذلتوں کی کیا پروا۔شعر

اولیں گام است پیش عاشقاں درراہ عشق　　درگزشتن از سر ناموس ننگ و جان مال

ان کو اپنے محبوب حقیقی کے وصال کی غرض سے صرف جان دینے کی ضرورت تھی نہ سرداری سے مطلب نہ نام آوری سے کام۔شعر

سر باخت کسے کہ درراہ عشق　　سرداری از عجوبہ کاریست

﴿پریشانی مسلمانان از یوقنا قلعہ دار حلب نفوس قدسیہ صحابہ رضی اللہ عنہم افسر نمودن ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ دامس را کہ غلام بود برسی کس﴾

ناسخ التواریخ وفتوح الشام میں لکھا ہے کہ یوقنا بطریق جو شجاعت میں بے نظیر تھا قلعہ حلب میں پناہ گزیں تھا۔ رات کو مسلمانوں پر شب خون مارتا اور دن کو قلعہ کا دروازہ بند کر دیتا۔ مسلمان ان کے ہاتھ سے تنگ آ گئے تھے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے لشکر سے نامی وگرامی تیس (۳۰) شخص کا انتخاب کیا جن کی شجاعت و تجربہ کاری تمام لشکر اسلام میں مسلم تھی۔ اوران پر دامس رحمۃ اللہ علیہ کو افسر بنایا۔ یہ شخص قبیلہ بنی کندہ میں کسی کا غلام تھا اس لئے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان حضرات سے معذرت کی۔ انہوں نے کہا وہ تو مسلمان ہیں۔ اگر آپ کسی کافر کو ہمارا افسر بنادیں تو بھی ہمیں کوئی عذر نہیں۔ دامس رحمۃ اللہ علیہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ قلعہ کے اطراف اس غرض سے چکر لگائے کہ کہیں سے اندر جانے کی راہ ملے۔ مگر نہ ملی۔ ایک مقام میں لوگوں کو غافل پایا۔ فصیل قلعہ باوجود یہ کہ سات قد آدم اونچی تھی کسی تدبیر سے اوپر چڑھ گئے اور دو شخصوں کو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ کہ طلوع فجر کے وقت ایک ہزار کا لشکر فلاں دروازہ

پر روانہ کر دیجئے۔اور فصیل پر جو سپاہی سو رہے تھے ان کو نیچے پھینک دروازہ کی راہ لی۔دیکھا کہ دروازہ باہر سے بند ہے اس کو کھلا دیا اور وہاں کے سپاہیوں کو قتل کر کے دوسرے دروازہ پر آئے اور اس کو کھول دیا۔اس وقت یوقنا کو اطلاع ہوئی کہ مسلمان قلعہ کے دروازہ پر قابض ہو گئے۔فوراً اس نے لشکر کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو قتل کر ڈالیں۔اور ہر طرف سے نعرہ بلند ہوئے اور تمام لشکر نے ان پر حملہ کر دیا۔

﴿فتح قلعۂ حلب﴾

دامس رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے ساتھ والے اٹھائیس شخصوں کو لیکر مقابل ہو گئے اور تکبیر اور تہلیل کے نعرے بلند کر کے اس لشکر کثیر پر حملہ کر دیا۔ادھر انتیس آدمی اور ادھر چار ہزار کا لشکر دروازہ کے طرف متوجہ ہے کہ کسی طرح اس پر قبضہ کر لیں۔مگر یہ حضرات آہنی دیوار کی طرح اڑے ہوئے ہیں کہ ایک قدم اس لشکر کو آگے بڑھنے نہ دینگے۔گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ادھر طرفین سے کشتوں پر کشتے گر رہے تھے کہ اتنے میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک ہزار سوار لیکر پہنچے۔اور دراتے ہوئے قلعہ میں گھس کر تکبیر کا نعرہ بلند کیا اور اس زور کا حملہ کیا کہ قلعہ والوں کے پاؤں

اکھڑ گئے۔پھر کیا تھا ہر طرف سے الامان الامان کی صدا بلند ہونے لگی۔اس عرصہ میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بھی آگئے۔اور فرمایا کہ سب کو جمع کر کے ان پر اسلام پیش کیا جائے۔چنانچہ سب سے پہلے یوقنا رحمۃ اللہ عنہ نے سچے دل سے اسلام قبول کیا۔اور ان کے بعد بہت سے سردار مسلمان ہوئے۔اس وقت یوقنا رحمۃ اللہ عنہ نے کہا کہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار پرانوار سے خواب میں مشرف ہو چکا ہوں اور قسم کھا کر کہا کہ توریت اور انجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت موجود ہے۔فی الواقع یہ وہی پیغمبر ہیں۔جن کی بشارت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے۔اس کے بعد انہوں نے اسلام میں بہت سے کارنمایاں کیئے انتہیٰ۔اس واقعہ میں بہت سے امور اس قابل ہیں کہ اہل ایمان ان پر گہری نظری ڈالیں۔دیکھئے نامی گرامی شجاعان عرب ایک غلام کی ماتحتی میں چلے جارہے ہیں۔اور وہ حضرت جس طرح چاہتے ہیں ان سے کام لیتے ہیں اگر جان دینے کو کہیں تو کسی کی مجال نہیں کہ دم مار سکے۔کس چیز نے ان کو اس حالت تک پہونچا دیا تھا۔ادنی تامل سے معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ معشوق حقیقی کا عشق تھا اس وقت ان کی نظر نہ غلام پر تھی نہ افسر پر۔بلکہ ہر ایک کی زبان حال پر یہ شعر جاری تھا۔لمولفہ

فدائے آنکہ رساند بکوئے دوست مرا　　　بہ بندگیش بنازم کہ خواجہ اوست مرا

رات کا وقت عالم میں سنّاٹا ہے۔ ہر شخص اپنے آرام گاہ میں خواب نوشیں کے مزے لے رہا ہے۔ اور یہ حضرات ہیں کہ اپنے مقتل کے گرد ایسے پھر رہے ہیں جیسے شمع کے گرد پروانہ۔ اور زبان حال پر یہ شعر جاری ہے۔

صبا بلطف بگو آں غزال رعنا را　　　کہ سر بکوہ و بیاباں تو دادۂ ما را

صحرا نوردی کے وقت یہ خیال ہے۔

رشتۂ در گردنم افگند دوست　　　می بردہ ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

کبھی صحرا نوردی سے تھک جاتے ہیں تو سروش غیبی سے ندا آتی ہے۔

مقام عیش میسر نمی شود بے رنج　　　بلیٰ بحکم بلا بستہ اند زعہد الست

شوق شہادت دل میں جوش مار رہا ہے کہ اگر موقع ہو تو رات ہی میں یہ معرکہ طے کر دیا جائے۔

برآں عزمسم کہ گر خود میرود سر　　　کہ سر پوش از طبق بر دارم امشب

مگر چونکہ وعدہ صبح کا تھا اس لئے رات تمام اس انتظار میں گذری کہ صبح کب ہوگی اور کب پیام یار آئے گا۔

ہمہ شب دریں امیدم کہ نسیم صبح گاہی　　　بہ پیام آشنائی بہ نوازد آشنا را

خدا خدا کر کے رات کا خاتمہ ہوا اور وعدہ وصل نزدیک پہونچا پھر کیا تھا

یہ حضرات علی الصباح کمال شوق و ذوق سے وعدہ گاہ یعنی دروازہ پر پہنچے جس کا فتح کرنا فتح باب مقصود تھا۔

علے الصباح کہ مردم بکار و بار روند بلا کشان محبت بہ کوئے یار روند

ہر چند ظاہر بینوں کی نظر میں وہ قلعہ حلب کا دروازہ تھا۔مگر ان حضرات کی نظروں میں وہ خاص خلوت سرا کا دروازہ تھا۔وہاں پہونچتے ہی جاں بازی شروع کردی۔

تا سر چو گوے بر سر کوئے تو باختیم واقف نشد کسیکہ چہ گو ہست واین کوچہ

مطلب یہ کہ جو لوگ اس کوچہ کے نہیں وہ کیا جانیں کہ معشوق کی گلی کہاں ہے پھر جب معرکہ کارزار گرم ہوا تو جو تیر اد ہر سے آتا بہ فحوائے۔

گرچہ تیر از کمان ہمیں گذرد از کماں دار بیسند اہل خسرد

غنیمت سمجھ کر سینہ و دل و جگر آنکھوں میں اسے جگہ دیتے۔

دیار عشق را نازم کہ طفلان ہوس ناکش چو پستاں می مکند از ذوق زہر آلود پیکانرا

اور جب دشمنان خدا کو تہ تیغ کرتے تو بمصداق آیۂ شریفہ ”فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ“ یعنی تم نے ان کو قتل نہیں کیا۔اللہ نے قتل کیا۔آپ بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔یہ حضرات جس مقام میں تھے وہ مقام عشق ہے جہاں عقل کی رسائی ممکن نہیں۔جو چوں

وچرا کر سکے۔ وہاں نہ تعارض دیکھا جاتا ہے۔ نہ تناقض۔ قلبی حالات کے لذتوں میں ایسے مدہوش رہتے ہیں کہ ان چیزوں کی خبر تک نہیں ہوتی۔

عقل اگر داند کہ دل در بند زلفش چوں خوش است عاقلاں دیوانہ گردند از پئے زنجیر پا

اگر کوئی عقل کی راہ سے انہیں کچھ وعظ و نصیحت کرے تو کہتے ہیں۔

بروبکار خود ائے واعظ ایں چہ فریاد است مرا فتادہ دل از کف ترا چہ افتا است

اور ایسا ہی کسی عاشق نہ کہا ہے۔

نمیدانم زمنع گریہ مطلب چیست ناصح را دل از من سینہ از من آستیں آمن کنار از من

الغرض بعض حضرات نے بڑی بڑی کوششوں اور جاں فشانیوں سے دولت شہادت حاصل کی اور بتلا دیا کہ عشق اسے کہتے ہیں۔

شب از پروانہ شرح انتہائے شوق پرسیدم کف خاکسترے افشاند بر دامان فانوسے

سچا عشق یہ ہے ان حضرات نے نہ کبھی مضامین عشق میں موشگافیاں کیں نہ اپنے کو عاشق مشہور کیا۔ نہ ہائے وہو کے نعرے بلند کیے۔ مگر اس کی حقیت دکھلا دی۔

نالیدن بلبل زنو آموزی عشق است ہرگز نہ شنیدیم زپروانہ صدائے

﴿تجلی الٰہی وقت جنگ﴾

ہم نے جو مضامین عاشقانہ لکھے۔ غالباً بعض حضرات اس پر اعتراض

کرینگے کہ اس میں تکلف کیا گیا۔اور واقعات میں شاعرانہ مضامین درج کئے گئے۔مگر دراصل ہم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے احوال کی صرف ترجمانی کی اگر شبہ ہوتو ان کے اقوال بھی پیش کئے دیتے ہیں۔دیکھئے واقدی رحمۃ اللہ عنہ نے فتوح الشام میں جنگ اجنادین میں لکھا ہے۔وردان ساٹھ ہزار جنگی فوج کو خاص طور پر آراستہ و پیراستہ کر کے میدان جنگ میں لایا۔ اسلامی فوج کم ہونے کی وجہ سے معاذ رضی اللہ عنہ نے پر جوش اورزوردار تقریں کر کے یہ آیت پڑھی۔''اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ'' ۔پھر حملہ کرنے کو کہہ دیا۔خالد رضی اللہ عنہ نے کہا اے معاذ ذرا توقف کیجئے تا کہ میں ان لوگوں کو وصیت کرلوں۔چنانچہ صفوں میں جا کر یہ کہتے تھے کہ دیکھو! کفار تم سے کئی حصے زیادہ ہیں۔عصر کے وقت تک کسی طرح ٹالے جاؤ۔کیونکہ اس ساعت میں مدد ہوتی ہے۔اس اثناء میں کفار نے تیراندازی شروع کردی۔بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔مگر لوگ خالد رضی اللہ عنہ کے حکم کے لحاظ سے خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ضرار ابن الازور رضی اللہ عنہ نے کہا''مالنا والوقوف الحق سبحانہ تجلی لنا فامرنا بالحملۃ''۔یعنی حق تعالیٰ کی ہم پر تجلی ہوگئی ہے۔اس موقع میں توقف سے کیا تعلق حملہ کا حکم

دے دیجئے۔ دیکھئے ایک جلیل القدر صحابی کھلے لفظوں میں کہ رہے ہیں کہ حق تعالیٰ کی تجلی ہم لوگوں پر ہو چکی ہے۔ اور بے قرار ہیں کہ تاخیر کیوں ہو رہی ہے کیا اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ ہو سکتی ہے کہ اس جلوہ گری کے شکریہ میں وہ جلدی سے جان فدا کرنا چاہتے تھے۔ لمولفہ

جانانہ زرخ نقاب برداشت ۔۔۔ وقت است کہ جاں نثار سازیم

اور کسی برزگ نے فرمایا ہے۔

گر نثار قدم یار گرامی نکنیم ۔۔۔ جوہر جاں بچہ کار دگرم باز آید

اگر سچی حالت ان حضرات کی گواہی نہ دیتی تو فی الواقع ایسے مواقع میں تجلی الٰہی کا ہونا کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ آتا۔ کیونکہ اوروں کو جب عشق ہی نہیں تو تجلی کا راز کیا جانیں۔ لمولفہ

زبلبل شنو زانکہ نشنیدۂ ۔۔۔ تو آں سر کہ از گل نیوشیدہ شد

شرح مجموعۂ گل مرغ سحر واند و بس ۔۔۔ کہ نہ ہر کوورقے خواند معانی دانست

اس تجلی کا یہ اثر تھا کہ اب نہ جان و مال سے تعلق ہے نہ کسی چیز کی آرزو

تا عاشقاں ببوئے نسیمش دہند جاں ۔۔۔ بکشو و نافۂ و در ہر آرزو بہ بست

معرکہ کارزار گرم ہے۔ ہنگامہ محشر برپا ہے۔ مگر وہ کچھ ایسے مست نظارہ ہیں کہ آنکھ تک نہیں جھپکتی۔

مژگان بہم نمی زنم از روز رست خیز غوغائے حشر خواب پریشان عاشقی است

کبھی کمال مستی طرب انگیز سے کہتے ہیں۔

خلوت خاص است وجائے امن ونزہتگاہ عیش اینکہ می وبنیم نہ بیداریست یارب یا بجواب

اس قسم کی یہ بات بھی ہے جو کسی بزرگ نے کہی ہے۔

داررا معراج می خوانند سرداران عشق عشق کے ہر بوالہوس رابر سردارآورد

اور کبھی رضا وتسلیم کی حالت میں یہ مضمون زبان حال سے ادا ہورہا ہے۔

نشو ونصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

غرض کہ عشق کا معاملہ ایسا عجیب وغریب ہے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

عجیب راہیست راہ عشق کانجا کسے سر برکند کش سر نباشد

اور سمجھ میں آئے تو کیونکر۔ عشاق اور آسودہ دلوں کی حالتوں میں زمین وآسمان کا تفاوت ہے۔ لمولفہ

حال جان سوختگان سوختہ جانان دانند خام زیں مرحلہ دوراست ازانش چہ خبر

بلبل زار بفریاد وقعاں مردو ہنوز ولہ گل تر خندہ زناں ناز وتبختر دارد

انہوں نے آسایش وتنعم کو پہلے ہی رخصت کردیا کہ۔

ناز پرورد تنعم نبرد راہ بدوست عاشقی شیوہ اصحاب بلاکش باشد

نازکاں راسفر عشق حرامست حرام کہ بہر گام دریں رہ خطرے نیست کہ نیست

من آں زماں طمع بہ بریدم زعافیت کایں دل نہاد در کف عشقت زمام را

چونکہ ان حضرات کا عشق کامل تھا۔اس لئے اس کے آثار برابر مرتب ہوتے گئے اور کامیابیاں حاصل کرتے رہے۔

﴿حسرت بر عدم شہادت﴾

عاشق کہ شد کہ یار بسویش نظر نہ کرد اے یار درد نیست وگرنہ طبیب ہست

غرض کہ جن پر اس خاص تجلی کا پورا اثر ہوا۔وہ تو واصل حق ہو گئے۔اور عشق نے انہیں ٹھکانے لگا دیا۔لمولفہ

عشق از جانب معشوق بریدیست کہ او دل برد اول وجاں نیز برد آخرکار

مگر جو لوگ شہادت سے معرکوں میں محروم رہتے تھے۔اگرچہ ان کو فتح اور علائے کلمۃ اللہ کی خوشی تو ہوتی۔مگر اس کا غم ضرور ہوتا تھا کہ اس دولت عظمٰی سے محروم واپس جاتے ہیں۔

از در دوست چہ پرسی بچہ عنواں رفتم ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرماں رفتم

ان کی زبان حال پر یہ مضمون جاری رہتا تھا۔لمولفہ

نازش بہ بیں کہ سر بہ نہادیم زیر تیغ پرداخت با رقیب وسوما نظر نہ کرد

طغیان ناز بیں کہ جگر گوشۂ خلیل درزیر تیغ رفت وشہیدش نمی کنند

آخر یہ کہہ کر دل کو تسکین دیتے۔

میل من سوئے وصال وقصد او سوئے فراق ترک کام خود گرفتم تا برآید کام دوست

جب ان کشتگان خنجر تسلیم کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے تو کہتے کہ۔

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی بہ یاد آر حریفاں باد پیمارا

ہمارے اس کلام کی تصدیق کئی شہادتوں سے ہوسکتی ہے۔فتوح الشام صفحہ نمبر (۱۷) میں واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے خالد ابن الولید کا قول نقل کیا ہے۔آپ فرماتے ہیں ''واللہ اھدیت نفسی مرار القتل لعلی ارزق الشھادۃ''۔یعنی خدا کی قسم بارہا میں نے اپنے نفس کو تلواروں کے روبرو بطور ہدیہ پیش کیا۔اس امید پر کہ شہادت نصیب ہوگی۔مگر افسوس کہ نہ ہوئی۔

﴿شوق ضرار رضی اللہ عنہ بجنگ وشہادت﴾

اور نیز واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے صفحہ نمبر (۲۳) میں لکھا ہے کہ جب مسلمانوں کو فتح پر فتح ہونے لگی تو ہرقل نے کہا کہ اگر عار نہ ہوتی تو میں ملک شام کو چھوڑ کر قسطنطنیہ چلا جاتا۔مگر اب بغیر اس کے چارہ نہیں کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنی ذات سے جاؤں اراکین دولت نے کہا یہ مناسب نہیں۔وردان حاکم حمص نہایت جواں مرد شخص ہے اس کی قوت اور معرکہ آزمائیاں ایسے ہیں کہ ہمارے ملک میں اس کی نظیر نہیں۔اس کو مسلمانوں

کے مقابلہ میں روانہ کیجئے۔ ہرقل نے اس کو بلوایا اور بارہ ہزار سوار دے کر روانہ کیا۔ روانگی کے وقت اس نے وعدہ کیا کہ جب تک خالد رضی اللہ عنہ اوران کے ہمراہیوں کا سر نہ لاؤں۔ اور ملک حجاز میں جا کر ان کی عبادت گاہوں کومنہدم نہ کردوں۔ واپس نہ آؤنگا۔ جب اس کے آنے کی خبر پہونچی خالد رضی اللہ عنہ نے ضرار ابن الازور سے کہا میں چاہتا ہوں کہ تم پانچ ہزار سوار لے کراس کے مقابلہ کو جاؤ۔ یہ سنتے ہی ضرار رضی اللہ عنہ نے نہایت خوشی سے کہا ''وافرحتاہ'' اے خالد رضی اللہ عنہ اس وقت جو مجھے مسرت ہوئی ہے۔ کبھی اس سے زیادہ نہیں ہوئی تھی آپ مجھے اجازت دیجئے۔ میں تنہا اس کے مقابلہ میں جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہر چند خالد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ فوج کو جمع ہوجانے دو۔ مگرانہوں نے نہ مانا۔ اور کہا خدا کی قسم میں اب نہیں ٹھیر سکتا۔ جس کو توفیق ہوگی راہ میں مجھ سے آملے گا۔ یہ کہکر فوراً کھوڑے پر سوار ہوکر روانہ ہوگئے پھر فوج پیچھے سے روانہ ہوئی۔ جب مقابلہ کا وقت آیا۔ تو سوائے پائجامہ کے کل لباس اتار دیا۔ اور ہتاروں میں صرف نیزہ لے لیا۔ اور سخت مقابلہ کرکے بہتوں کوقتل کیا۔ آخر جب نیزہ ٹوٹ گیا تو کفار نے ان کو گرفتار کرلیا۔ یہ خبر جب خالد رضی اللہ عنہ کوپہونچی۔ تو فوراً روانہ

ہوئے۔ اور سخت مقابلہ کر کے ان کو چھوڑ لائے۔ انتہیٰ ملخصاً

اب غور کیجئے کہ کس چیز نے ان کو دشمن کے مقابلہ میں جانے پر ایسا بے قرار کر دیا کہ ہزاروں کے مقابلہ میں برہنہ تن نکل کھڑے ہوئے بجز اس کے اور کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ صرف شوق شہادت تھا۔

غوطہ در خون خود از فرق زند تا بقدم بشہید تو نہ زیبد کفنے بہتر ازیں

﴿ہمچنیں در دیگر واقعات تمنارے شہادت﴾

شااس لئے کہ شہادت سے مقصود موت ہے۔ جس کی نسبت کہا جاتا ہے الموت جسرٌ یوصل الحبیب الی الحبیب ۔یعنی موت ایک پل ہے کہ اس کے پار ہوتے ہی اپنے محبوب کی ملاقات ہوتی ہے۔ اب غور کیجئے کہ جو شخص شوق شہادت میں اتنا سامان کرے کہ ہزاروں تیر نیزے شمشیروں کے روبرو اپنا تن برہنہ پیش کرے۔ اور اس پر بھی وہ حاصل نہ ہو تو کس قدر اس کو حسرت ہونی چاہئے۔ تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ جب مسیلمہ کذاب کے واقعہ میں زید ابن خطاب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بھائی شہید ہوئے۔ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھر واپس آگئے تو اپنے والد سے افسوس ناک لہجہ میں کہا کہ چچا صاحب نے شہادت کی دعا کی۔ اور وہ ان کو نصیب ہوئی اور میں نے بہت کوشش کی کہ مجھے بھی نصیب

ہو۔مگر نہ ہوئی۔ان کے سوا اور بہت سے واقعات صحابہ رضی اللہ عنہ کے تصریحات ہیں جن سے ظاہر ہے کہ ہمیشہ ان کوشہادت کی تمنا رہا کی۔اور معرکوں میں اس کے حاصل کرنے کوشش کیا کرتے تھے۔اب کہئے کہ ساتھ والے جب اس دولت سے بہرہ یاب ہوتے ہوں گئے تو وہ کس حسرت بھری نگاہوں سے اس کو دیکھتے ہونگے۔اور کس قدر ان کو رشک ہوتا ہوگا۔ناسخ التواریخ جلد دوم صفحہ نمبر (۳۸۱) میں لکھا ہے۔جب مصر پر اہل اسلام کی چڑہائی ہوئی سات مہینے کفار کے ساتھ سخت مقابلے رہے مقوقس پادشاہ مصر نے کچھ مال دے کر صلح کرنا چاہا۔تو عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم جو تم سے لڑتے ہیں اس سے ہمارا مقصود نہ مال ہے۔نہ جاہ۔تم یا مسلمان ہو جاؤ۔یا جزیہ قبول کرلو۔ورنہ ہم تم سے ضرور لڑینگے۔کیونکہ ہمارا مقصود جنگ سے شہادت ہے ہمیشہ ہماری دعاء یہ ہے کہ الٰہی ہم کو یہاں سے اپنے گھر اور اہل وعیال کی طرف واپس نہ لیجائے اور شہادت سے محروم نہ کرے انتہیٰ۔یہ بات پوشیدہ نہیں کہ جو لوگ جنگ پر جاتے ہیں کیسی کیسی نیتیں اور دعائیں مانگی جاتی ہیں۔کہ الٰہی خیر وعافیت سے ہمیں اپنے گھر پہونچائیو۔اور ان حضرات کا یہ حال ہے کہ بجائے صحیح وسالم پہونچنے کے یہ دعائیں مانگتے ہیں کہ الٰہی جس آرزو اور

شوق سے ہم گھر سے نکلے ہیں وہ مراد ہماری پوری کر ایسا نہ ہو کہ کہیں صحیح اور سالم گھر پہونچ جائیں۔ کیونکہ اس جہاد سے ہمیں نہ ملک گیری مقصود ہے جس سے ہمیں دنیا میں جاہ ومنزلت حاصل ہو نہ مال۔ بلکہ مقصود اصلی صرف تیرا دیدار ہے۔

مرا بکار جہاں ہرگز التفات نبود　　رخ تو در نظر من چنیں خوشش آراست

اسلام یوقنا رضی اللہ عنہ

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے صفحہ (۴۱) میں لکھا ہے کہ زید بن سعید رضی اللہ عنہ کا نکاح ان کی چچا کی لڑکی سے ہوکر تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ دمشق کی لڑائی میں وہ سخت زخمی ہوئے لوگ ان کو معرکہ جنگ سے لشکر میں لائے انہوں نے کہا کہ خدا قسم جس چیز کی مجھے آرزو تھی وہ نصیب ہوئی۔اور کلمۂ شریفہ پڑھتے ہوئے انتقال کئے جب یہ کیفیت ان کی دلہن کو معلوم ہوئی وہ دولہ کے دیدار کو اس حالت میں آئیں کہ ہنوز مہندی کا رنگ ہاتھوں سے اوڑا نہ تھا۔اور خوشبو جو نکاح کے دن سر میں لگائی گئی تھی۔اس کی بو تک باقی تھی۔ بے اختیار ان پر گر کر کہا کہ جو دولت تمہیں خدا نے دی ہے تمھیں مبارک ہو۔تم خدا کے پاس چلے گئے جس نے تھمیں ہمیں ملا کر جدا کر دیا۔اب میں نے بھی اپنے نفس کو خدا کی راہ میں

وقف کردیا امید ہے کہ تم سے عنقریب ملاقات ہوجائے۔اس کے بعد وہ ہر معرکہ جنگ میں برابر شریک ہوتیں۔چنانچہ بہت سے کفار کوانہوں نے قتل کیا۔انتہیٰ۔ملخصاً۔ہر شخص جانتا ہے کہ دولہا کی موت پر نئ دلہن کا کیا حال ہوا کرتا ہے مگران کو اپنے شوہر سے کمال درجہ کی محبت تھی۔انہوں نے دیکھا کہ اپنے محبوب کو آج وہ دولت نصیب ہوئی کہ اس سے بہتر کوئی نہیں ہوسکتی یعنی وصال الٰہی ۔جس سے ان کو آج وہ مسرت ہے جو عمر بھر نصیب نہیں ہوئی تھی اس مسرت کے خیال نے ان کے دل پر وہ اثر ڈالا کہ غم آنے ہی نہ پایا۔کیونکہ آدمی کو اپنے دوست کی خوشی سے خوشی ہوا کرتی ہے۔اور جس قدر کسی سے زیادہ محبت ہوگی اس قدر اس کی خوشی کا زیادہ اثر محسوس ہوگا۔غرضکہ ان بی بی کو شہادت اور وصال الٰہی کی قدر تھی۔اور کمال درجے کا ایمان تھا۔جس نے مقتضائے بشری اور طبیعی امور کو بھی آنے نہ دیا۔شوق شہادت اور عشق کے واقعات اس قدر ہیں کہ اگر بیان کئے جائیں تو ایک کتاب ہوجائے گی۔

واقعہ آراستہ کردن معاذ رضی اللہ عنہ فرزند نوبالغ را برائے مقابلہ شخصِ قوی

تاریخ واقدی رحمۃ اللہ علیہ میں واقعہ جنگ یرموک میں لکھا ہے کہ ایک پہلوان نہایت تن آور اور قوی ہیکل مسلمانوں کے مقابلہ میں نکلا۔ادھر سے ایک نوجوان مقابل ہوئے۔اس نے ان کو شہید کرڈالا۔معاذ رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ خود اس مقابلہ کریں۔مگر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر کہا کہ آپ نہ جائے۔مجبور ہو کر واپس ہوئے اور پکار کر کہا اے مسلمانوں تم میں کوئی ہے کہ میرے گھوڑے پر سوار ہو کر میرے ہتیاروں سے اس کا مقابلہ کرے۔یہ سنتے ہی آپ کے کم عمر فرزند جو ابھی بالغ بھی نہیں ہوئے تھے پیش ہوئے اور کہا کہ ابّا جان گھوڑا مجھے عنایت کیجئے۔چنانچہ وہ اپنے والد کے ہتیار لگا کر اس گھوڑے پر سوار ہوئے اور پدر بزرگوار سے کہا کہ اگر میں زندہ رہا تو خیر۔ورنہ آپ پر میرا یہ آخری سلام ہے۔اگر آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ عرض کرنا ہو تو مجھے فرمادیجئے انہوں نے کہا بیٹا میرے طرف سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام پہونچا کر عرض کرنا کہ خدائے تعالیٰ آپ کو

امت کے طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ یہ کہہ کر کہا۔ اے فرزند اب سدھارو۔ خدائے تعالیٰ تمھیں توفیق عطا کرے۔ غرض انہوں نے اس پہلوان پر سخت حملہ کیا۔ اور طرفین سے معرکہ آزمائی ہوئی آخران کو زخم کاری لگا اور شہید ہوگئے۔ انتہیٰ ملخصاً دیکھئے فرشتہ صفت صاحبزادے ہتیاروں سے آراستہ گھوڑے پر سوار ہوکر کس خوشی سے اس دیو کے مقابلہ میں جارہے ہیں جیسے کوئی بن ٹھن کر گھوڑے پر سوار ہوکر اپنی دلہن کے گھر جاتا ہے اور وہ ضعیف پدر بزرگوار اپنے ہونہار فرزند کو ہتیاروں سے سجا کر گھوڑے پر سوار کررہے ہیں اس وقت ان کے دل کی کیا حالت ہوگی۔ ادھر دیکھتے ہیں تو ایک خوانخوار دیو کے مقابلہ میں نا تجربہ کار نابالغ فرزند جارہے ہیں جن کی کامیابی اور سلامتی سے بالکل یاس ہے۔ ادھر جب اپنے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم پر نگاہ پڑتی ہے تو بے اختیار دل پکار اٹھتا ہے کہ ایک کیا اگر ایسے ہزار لڑکے ہوں تو ان کے حکم پر فدا کرنا چاہئے۔ اور ہر وقت اشفاق مربیانہ جو پیش نظر تھے اس حالت میں بھی صاحبزادہ کے زبانی یہی کھلایا۔ کہ آپ کے احسانوں کا بدلہ ہم سے کیا ہوسکے بجز اس کے کہ دعا کرتے ہیں کہ ہمارے طرف سے خدائے تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ شعر

ہزاراں بار منت آنچناں بر گردنم داری کہ گر جاں ہم دہم الحق محقر ہدیہ باشد

غرضکہ عشق الٰہی نے ان حضرات کے دلوں کو شوق شہادت سے لبریز کر دیا تھا جس کی وجہ سے ان کو نہ اپنی حریت کا خیال تھا نہ دامس رحمۃ اللہ علیہ کی غلامی پر نظر۔

درمدرسہ عشق زاب وجد نبود بحث ہست ابجد ایں مدرسہ از خویش گزشتن

دامس رحمۃ اللہ علیہ ہر چند غلام تھے۔ مگر چونکہ کہ مقتل اور شہادت گاہ کی طرف لیجا رہے تھے ان کے نظروں میں بڑے محسن اور قابل شکر اور واجب الاطاعت تھے۔ شعر

سرت گردم سرم برپائے جانانم براندازی مزدش جانم اے جلاد گیروزود ہمت کن

دوسرا امر اس واقعہ میں قابل غور یہ ہے کہ جس شخص کے مقابلہ میں یہ صاحبزادے جارہے ہیں۔ اس کی کیا حالت تھی اس وقت نہ ان کو خیال آیا کہ اپنے نازک ہاتھوں کا اس پیل تن جنگ آزمودہ مقابل پر کیا اثر ہوگا۔ اور نہ پدر بزرگوار ہمرا یہان تجربہ کار نے یہ کہا کہ صاحبزادے اس کے مقابلہ میں آپ اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان حضرات نے معمولی عقل کو خیر باد کہہ دیا تھا۔ اور مقصود اصلی صرف شہادت اور وصال الٰہی تھا۔

﴿واقعۂ حلب وحالات یوقنا ویوحنا﴾

فتوح الشام میں واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے اور ناسخ التواریخ میں لکھا ہے کہ حلب ایک مستقل سلطنت تھی۔اس میں دو بھائی تھے۔ایک کا نام یوقنا تھا اور دوسرے کا یوحنا۔یوحنا زاہد وعابد شخص تھا۔اور یوقنا سپاہی اور جوان مرد جب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حلب کی جانب رخ کیا۔اور یوقنا جنگ پر آمادہ ہوا۔یوحنا نے صلح کی رائے دی اس نے نہ مانا۔اور اپنی جوان مردی اور تجربہ کاری کے حالات بیان کرنے لگا۔یوحنا نے ہنس کر کہا بھائی شاید آپ کو موت قریب آپہونچی ہے۔جو آپ مسلمانوں سے لڑنا چاہتے ہو۔اس عرصہ میں کعب ابن ضمرہ ایک ہزار فوج لے کر حلب کے قریب آپہنچے۔یوقنا پانچ ہزار فوج کے ساتھ بہ ارادۂ شب خون ایسے وقت پہونچا کہ اہل اسلام نماز صبح کی تیاری میں مشغول تھے۔اول تو مسلمان ایک ہزار اور کفار پر پانچ ہزار۔اس پر علاوہ یہ کہ مسلمان سنبھلنے بھی نہیں پائے تھے کہ پانچ ہزار لشکر جرار کا ان پر حملہ ہوگیا۔باوجود اس کے مسلمان نہایت استقلال سے لڑتے رہے کہ دشمن کی اور فوج کثیر کمک کے لئے آپہونچی اور ساتھ ہی حملہ کردیا۔جب مسلمانوں نے اس فوج کثیر کو دیکھا تو یقین کرلیا کہ اب جانبری کی امید نہیں۔

﴿مسئلہ ندا یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم﴾

کعب بن ضمرہ رضی اللہ عنہ کمال اضطرار کی حالت میں "یا محمد یا محمد یا نصر اللہ انزل" کہتے ہوئے مسلمانوں کو تسکین دیتے جاتے تھے۔ کہ اب نصرت آتی ہے۔ ایک دن ایک رات اسی حالت میں معرکہ کارزار گرم رہا۔ اس اثناء میں اہل حلب نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر صلح کر لی۔ جب وہ شہر کو واپس آئے تو یوقنا کو خبر ہوئی کہ اہل حلب مسلمانوں سے صلح کر کے ان کے طرف دار ہو گئے یوقنا کمال غصہ سے فوج کو ہمراہ لے شہر میں گیا۔ اور صلح کرنے کے الزام میں قتل عام شروع کر دیا۔ جس سے تمام شہر میں واویلا مچ گیا۔ یوحنا نے پاس آ کر خیر خواہانہ صلح کرنیکی گفتگو کی۔ جس سے طرفداری اہل اسلام کی معلوم ہوتی تھی چونکہ یوقنا نہایت غصہ میں تھا۔ یوحنا سے کہا کہ تو پہلے واجب القتل ہے جب اس نے تلوار کھینچی تو یوحنا رحمۃ اللہ علیہ نے آسمان کے طرف دیکھ کر کہا یا اللہ تو گواہ رہ کہ میں اس قوم کے دین کا مخالف ہوں۔ اور "اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمد ارسول اللہ "۔ پڑھ کر اپنے بھائی سے کہا اب جو جی چاہے کر لے۔ چنانچہ یوقنا نے اس کا سر اڑا دیا اور

اہل حلب کو قتل کرنا شروع کیا۔نہ کسی کا عذر سنتا تھا نہ فریاد۔تین سو (۳۰۰) آدمی قتل ہوئے تھے کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ وہاں آپہنچے۔اوران کا وایلا سن کرشہر میں داخل ہوگئے۔اورسخت لڑائی ہوئی۔یوقنا تاب نہ لاکر بھاگا۔فوج کے ساتھ قلعہ میں پناہ گزیں ہوا۔اورچار پانچ مہینہ اہل اسلام نے اس قلعہ کا محاصرہ کیا۔اس مدت میں یوقنا نے مسلمانوں کوسخت مصیبت میں ڈال رکھا تھا۔آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوقنا کے خواب میں تشریف فرما ہوئے۔چنانچہ اس فیضان دیدارنبوی سے وہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔انتہیٰ ملخصاً۔دیکھئے ایسا متعصب شخص کہ صرف مسلمانوں سے صلح کرنیکے جرم میں اپنی قوم کے قتل عام کا حکم دے دیااورچار پانچ مہینہ لشکر اسلام کوسخت پریشانی میں ڈال رکھا تھا۔ایسے شخص کوصرف ایک نظر میں مسخر کرلینا کیا کوئی معمولی بات ہے۔اگراس کومعجزہ نہ کہیں توپھر معجزہ کس چیز کا نام ہوگا اس میں شک نہیں کہ وہ ہدایت ازلی کا ظہور تھا۔مگر عالم اسباب میں جوکام ظہور میں آتے ہیں۔اسباب ہی سے متعلق سمجھے جاتے ہیں اسی وجہ سے قاتل مستحق قصاص ہوتا ہے۔حالانکہ بمصداق’’**اذا جآء اجلھم لا یستاخرون ساعة ولا یستقدمون**‘‘۔مقتول کا مرنا اس وقت ضروری ہوتا ہے اسی طرح ماں باپ کے احسان ماننے کا حکم ہے حالانکہ

بچہ کے موجود کرنے میں ان کو کوئی دخل نہیں۔ اگرچہ ''ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی'' ۔ سے ثابت ہے وہ ''رمی'' خدائے تعالی کی تھی۔ مگر بحسب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح اس خواب میں بھی معجزہ ظاہر ہوا۔

﴿اسلام یوقنا رضی اللہ عنہ﴾

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب قلعہ فتح ہو گیا۔ اور مال غنیمت تقسیم ہوا تو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اہل الرائے سے کہا کہ الحمد اللہ اس قلعہ کے بعد یہاں کوئی ایسا مقام باقی نہیں۔ جس سے خوف ہو۔ اب انطاکیہ پر چڑھائی کرنی چاہئے۔ جو ہرقل کا پایۂ تخت ہے۔ یا اور کوئی رائے مناسب ہے۔ یہ سنتے ہی یوقنا رحمۃ اللہ علیہ اٹھ کھڑے ہوئے اور عربی میں فصیح تقریر شروع کی۔ کہ اے امیر خدائے تعالیٰ نے آپ کو دشمن پر فتح دی ہے اور اس کی وجہ یہ ہی ہے کہ آپ کا دین سچا ہے۔ اور نبی آپ کے وہ ہیں جن کی خبر عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے کہ وہ تیمم ہونگے۔ اور ان کو ان کے دادا اور چچا پرورش کرینگے۔ کیا یہ بات سچ ہے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں سچ ہے مگر میں حیراں ہوں کہ کل تم ہمارے سخت دشمن اور

ہمارے لشکر کو تباہ کرنے کی فکر میں تھے اور آج خیر خواہ معلوم ہو رہے ہو۔اور میں نے سنا ہے کہ تمھیں عربی بات نہیں آتی۔حالانکہ تم اس وقت فصیح عربی بول رہے ہو۔کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

﴿معجزۂ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در خواب کہ یوقنا بزبان عربی قادر شد﴾

اے امیر کیا میرے ایمان لانے پر آپ کو تعجب ہے۔کہاں ہاں۔کہا واقعہ یہ ہے کہ کل میں اس امر میں نہایت متفکر تھا۔کہ آپ لوگ ہمارے قلعہ تک کس طرح پہونچ گئے حالانکہ ہمارے نزدیک کوئی قوم عرب سے زیادہ ضعیف نہیں سمجھی جاتی۔اسی فکر میں میری آنکھ لگ گئی۔خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص تشریف فرما ہیں جن کا چہرہ چاند سے بھی زیادہ روشن ہے اور ان کی خوشبو مشک سے زیادہ بہتر۔میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔کہا یہی تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں میں نے ان سے عرض کیا کہ اگر آپ نبی برحق ہیں تو دعاء کیجئے کہ خدائے تعالی مجھے عربی بات سکھلا دے۔

قوت تصرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دراں عالم

فرمایا اے یوقنا میں محمد ﷺ ہوں، عیسیٰ علیہ السلام نے میری ہی بشارت دی ہے۔ اور میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اگر خواہش ہو تو کہو "لا الـٰه الا اللـٰه محمد رسول اللـٰه"۔ یہ سنتے ہی میں نے حضرت کے دست مبارک پر بوسہ دیا اور اسلام سے مشرف ہوگیا جب بیدار ہوا تو میرے منہ میں مشک سے بہتر بو آرہی تھی۔ اور مجھے عربی بات بھی آگئی۔ اس کے بعد میں اپنے بھائی یوحنّا کے کتب خانہ میں گیا دیکھا کہ اس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات لکھے ہیں چنانچہ وہ حالات بیان کر کے سجدہ شکر بجالایا۔ اور کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ مجھے اس سچے دین کی طرف ہدایت کی۔ اور میرے دل میں اسے راسخ اور مستحکم کر دیا۔ میں جس طرح اب تک اطاعت شیطان میں جنگ کرتا تھا۔ اب خدا کی راہ میں کرونگا۔ یہاں تک کہ اپنے بھائی یوحنا سے جاملوں۔ اس کے بعد یوحنا کی جو بے قدری کی تھی اس پر بہت رو کر کہا کہ سب مسلمان گواہ رہیں کہ جس قدر میں مشرکوں کے قتل میں کوشش کرونگا اس کا ثواب یوحنا کو بخشتا ہوں۔ اور قسم کھا کر کہا کہ اب میرے دل میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ

وسلم کے سوا کسی کی محبت باقی نہیں۔اس کے بعد رائے دی کہ ابھی انطاکیہ کا ارادہ مناسب نہیں۔اس وقت قلعہ اغرار کا قصد کرنا چاہئے۔چنانچہ ان ہی کے تدابیر سے وہ قلعہ فتح ہوا۔اور فتح انطاکیہ وغیرہ میں ان سے بہت کارنمایاں ظہور میں آئے۔

﴿معجزۂ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درخواں کہ قیسے مسلمان شد﴾

ہر صحیح وجدان والا شخص اپنے وجدان سے اس وقت کی کیفیت کا مشاہدہ کرسکتا ہے کہ ایک سخت کافر جس نے مسلمانوں کو تنگ کر رکھا تھا زبان عربی سے محض ناواقف فصیح عربی سے تقریر کر رہا ہے کہ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں تشریف لاکر ایک ایسا کرشمہ دکھلا دیا کہ طبیعت کا رنگ ہی بدل گیا۔اور جتنے منصوبے تھے سب کی کایا پلٹ ہوگئی بمصداق۔شعر لمولفہ

چو عکس رخت تافت بر جان من ہمہ دیدہ گوئی کہ نادیدہ شد

اس مژدۂ جاں فزا سے مجمع عشاق نبوی پر عجیب قسم کی کیفیت طاری اور اس عالم وجد میں ہر ایک کی زبان حال پر یہ شعر جاری ہے

نہ مرا بستہ گیسوئے پریشاں داری غمزۂ خاص بہر گرو مسلماں داری

غرض کہ اس خوب سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

تصرفات اس عالم میں برابر جاری ہیں۔ بلکہ غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ اس عالم میں اور بھی زیادہ قوی ہو گئے ہیں۔اس لئے کہ جب تک آپ اس عالم میں تشریف رکھتے تھے متعصب کفار پر کچھ اثر نہ ہوا۔بخلاف اس کے اس عالم ایسے سخت متعصب شخص کو ایک بار کہہ دینا کافی ہو گیا۔اسی وجہ سے عاشقان جمال نبوی ہمیشہ اس آرزو میں رہتے ہیں کہ دولت دیدار سے مشرف ہوا کریں۔اور فی الواقع اس کے آثار و برکات بھی نمایاں ہوتے ہیں۔جس طرح یوقنا پر اس عالم میں نظر ڈالنا کافی ہوا۔اسی طرح اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے جو واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح حمص میں لکھا ہے کہ ایک قسیس نے جو ہرقل کا معتمد علیہ تھا ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔اور اسی صبح مشرف بہ اسلام ہوا۔

﴿اسلام روماس وزوجۂ او﴾

فتوح الشام اور ناسخ التواریخ میں واقعہ فتح بصریٰ میں لکھا ہے کہ وہاں کا بادشاہ روماس نامی نے عین میدان جنگ میں چند سوال اسلام سے متعلق خالد رضی اللہ عنہ سے کئے۔اور جوابات سن کر خفیہ طور پر مسلمان ہو گیا ہر

چنداپنے لشکریوں کومسلمان ہونے کو کہا مگر کسی نے نہ مانا۔ بلکہ اس کی جگہ پردیر جان کو مقرر کیا۔اور کئی روز جنگ ہوتی رہی۔ایک رات روماس رحمۃ اللہ علیہ نے کسی تدبیر سے مسلمانوں کو قلعہ میں پہونچا دیا۔چنانچہ وہاں سخت لڑائی ہوئی اوردیر جان مارا گیا۔بعد فتح روماس رحمۃ اللہ علیہ کی بی بی خالد رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں۔اور کہا کہ آج کی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص نہایت خوب صورت نورانی چہرہ تشریف فرماہیں۔او رفرماتے ہیں کہ شام وعراق مسلمانوں کے ہاتھ فتح ہوگئے۔میں نے پوچھا کہ حضرت آپ کون ہیں۔ارشادفرمایا کہ میں محمد رسول اللہ ہوں۔پھر مجھے اسلام لانے کوفرمایا۔چنانچہ میں مسلمان ہوگئی اس کے بعد حضرت نے مجھے دوسورتیں قرآن کی سکھلائیں۔خالدرضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا وہ سورتیں تم پڑھ سکتی ہو کہا ہاں۔چنانچہ سورۂ فاتحہ اورقل ھواللہ پڑھ کر سنا دیں۔چونکہ ان کو روماس رحمۃ اللہ علیہ کے مسلمان ہونیکا حال معلوم نہ تھا۔خالدرضی اللہ عنہ سے کہا کہ روماس یا مسلمان ہوجائے یا مجھے چھوڑ دے۔تاکہ میں مسلمانوں میں اپنی زندگی بسر کروں۔خالدرضی اللہ عنہ نے ہنس کر کہا کہ وہ تو تم سے پہلے ہی مسلمان ہوچکے ہیں۔یہ سن کر وہ نہایت خوش ہوئیں۔انتہیٰ ملخصاً۔

قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ روماس رحمۃ اللہ علیہ مسلمان ہونے کی وجہ سے جلاوطن ہورہے ہیں۔آپ کی طبع غیور نے یہ گوارانہ کیا کہ وہ بالکل بے مونس و بے غمخوار ہوجائیں اس لئے ان کی بی بی کو مسلمان ہونے کے لئے حکم فرمایا۔چنانچہ صرف اسی ایک ارشاد پر مسلمان ہوگئیں اور اسلام بھی کیسا کہ اپنا خان ومان اور شوہر کو چھوڑ کر جلاوطن ہونے پر ان کو آمادہ اور مستعد کردیا۔حکومت اسے کہتے ہیں کہ ادھر حکم ہوا ادھر تعمیل ہوگئی۔کیا یہ بغیر تصرف کے ممکن ہے۔پھر تصرف اسی بھی کہاں۔عالم ارواح میں جہاں دلوں پر تصرف ہوا کرتا ہے کیونکہ در حقیقت دل تابع روح ہے جس کو اصلاح میں نفس ناطقہ کہتے ہیں۔

غرض کہ کئی طرح سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرفات اس عالم میں جاری ہیں۔جن کا اثر اس عالم میں نمایاں ہوتا ہے اسی وجہ سے کعب ابن ضمرہ رضی اللہ عنہ جن کا حال ابھی معلوم ہوا انہوں نے جب دیکھا کہ کفار کی بے شمار فوج کے مقابلے میں اہل اسلام کا سر بر ہونا دشوار ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا کہ جلد مدد فرمائے۔اور اس کا ظہور بھی اس طور پر ہوا کہ مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور فتح بھی کیسی کہ خود بادشاہ فریق مخالف اسلامی فوج کا ایک سپاہی خیر خواہ بن گیا۔یہ ان

حضرات کی خوش اعتقادی کا اثر تھا کہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی کامیابیوں میں وسیلہ بناتے اور مواقع مہلکہ میں باعث نجات سمجھتے تھے۔اب ایسے مستند وسیلہ کو کوئی کھو بیٹھے تو وہ قسمت کی بات ہے یہاں یہ بات یاد رہے کہ صرف کعب ہی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پکارا۔ بلکہ صحابہ کا عام دستور تھا کہ سختی کے وقت حضرت کو پکارتے اور مدد طلب کرتے تھے۔ چنانچہ تاریخ کامل میں علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مسیلمہ کذاب کی فوج تقریباً ساٹھ ہزار تھی۔اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ لوگ بہت کم تھے۔ جب ان کے سخت حملے ہونے لگے تو مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔

لکھا ہے کہ اس جنگ میں مسلمانوں نے ایسی مصیبتیں اور سختیاں اٹھائیں کہ کسی جنگ میں نہیں اٹھائیں۔ جب خالد رضی اللہ عنہ اوران کے رفقاء نے جو ثابت قدم تھے دیکھا کہ نہایت نازک حالت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا۔ چنانچہ ''وامحمداہ وامحمداہ''۔ ہر صحابی کی زبان پر اس وقت جاری تھا۔ پھر بفضلہٖ تعالی اس کا یہ اثر ہوا کہ مسیلمۂ کذاب واصل جہنم کیا گیا۔اوراس کی فوج کو شکست ہوئی۔انتہیٰ ملخصاً۔

دیکھئے اس جنگ میں کل صحابہ تھے۔اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کی وفات کے ساتھ ہی یہ جنگ ہوئی۔اب کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ حضرات مصیبت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنے اور مدد مانگنے سے معاذ اللہ مشرک ہوگئے تھے۔اگر یہ حضرات مشرک ہوں تو یہ مضمون صادق آئے گا۔مصرعہ

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

صحابہ کے طریقہ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اشد ضرورت کے وقت پکارتے تھے۔ ہر وقت اٹھتے بیٹھتے یارسول اللہ کہنے کی عادت نہیں کی تھی۔ناسخ التواریخ میں جنگ یرموک کے حال میں لکھا ہے کہ چار لاکھ آدمیوں کی فوج تھی۔اور بقول واقدی رحمۃ اللہ علیہ اس کے دو چند یا سہ چند یعنی بارہ لاکھ تھی۔اور اسلام کی فوج بہت کم تھی اس وجہ سے بارہا ہزیمت ہوئی، اور سنبھل کر پھر حملہ کرتے چنانچہ ایک بار اس حصہ کی فوج کو ہزیمت ہوئی۔جس میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے اور ان کا گذر عورتوں پر ہوا۔ ہندہ رضی اللہ عنہا جو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بی بی تھیں انہوں نے خیمہ کا ستون لیا اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے منہ پر مار کر ابوسفیان سے کہا کہ اے صخر حرب کے بیٹے تم کہاں بھاگ رہے ہو۔ یہ وقت جان فدا کرنے کا ہے تا کہ اس کا بدلہ ہو جائے جو رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں تم کفار کو برانگیختہ کرتے تھے۔ چنانچہ وہ مع فوج شکستہ پھری اور کفار پر حملہ کیا۔ لکھا ہے کہ خالد رضی اللہ عنہ نے چھ ہزار سوار لے کر فوج کفار کے قلب پر حملہ کیا۔

﴿ندائے وامحمد اور جنگ مسیلمۂ کذاب﴾

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس وقت ان سب کی زبان پر **یا محمد یا منصور امتک** جاری تھا۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اے فتح مند اپنی امت کی خبر لیجئے۔ خبر لیجئے۔ دیکھئے چھ ہزار صحابہ اور تابعین بارہ لاکھ فوج کفار کے مقابلہ میں جب لڑ رہے ہونگے تو بمقتضائے بشریت ان کے دلوں کی کیا حالت ہوگی۔

اس میں شک نہیں کہ شوق شہادت پسپا نہیں ہونے دیتا تھا۔ مگر یہ بھی منظور نہ تھا کہ امت نبوی فنا ہو جائے۔ ہر چند عشق الٰہی کا مقتضی یہ تھا اس عالم سے سفر کر کے وہاں کے مزے حاصل کریں۔ مگر حقوق دلی نعمت جو پیش نظر ہو گئے تو اس لحاظ سے کہ وہ خود غرضی پر کہیں محمول نہ ہو جائے پکار کر کہہ دیا کہ حضرت اپنی امت کی خبر لیجئے۔ اگر چندروز اس عالم میں ہم سے خدمت لینی منظور ہو تو حاضر ہیں۔ ورنہ وہاں جانا تو عین مقصود ہے غرضکہ

اس سختی کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکار کر استمداد کی۔اس سے ظاہر ہے کہ وہ اس ندا کو عین ثواب سمجھتے تھے۔

﴿درواقعۂ یرموک برزبان صحابہ رضی اللہ عنہ

یا محمدیامنصورامتک جاری بود﴾

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے صفحہ (۱۷۴) میں لکھا ہے کہ جب اہل اسلام بہنسا کا محاصرہ کئے ہوئے تھے ایک رات وہاں کے بادشاہ نے ایسے وقت شب خون مارا کہ اہل اسلام غفلت میں تھے کوئی سنبھلنے نہیں پایا تھا کہ کفار کی فوج کثیر نے خونریزی شروع کردی۔صحابہ کا بیان ہے کہ وہ رات ایسی پر آشوب اور مصیبت کی تھی کہ کبھی ہم نے ویسی نہیں دیکھی۔اس حالت اضطرار میں سب کی زبان پر **یا محمد یا محمد یا نصر اللہ انزل** جاری تھا انتہیٰ۔

﴿شبخون زدن کفار گفتن خالد رضی اللہ عنہ

واغوثا وامحمدا﴾

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے صفحہ (۱۸۱) میں ایک دوسرا واقعہ بھی اسی قسم کا

نقل کیا ہے کہ ایک رات بطلیموس دس ہزار سوار لے کر قلعہ سے باہر نکلا۔ اور نہایت سرعت سے اہل اسلام پر شب خون مارا۔ جس سے لوگ تاریکی شب میں سخت پریشاں ہوئے اور ایک ہنگامہ برپا ہوا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے یہ گڑبڑ سنتے ہی چیخ مار کر کہا کہ" واغوثاہ وا محمدہ واسلاماہ کید قومی ورب الکعبۃ" جس کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بخدا میری قوم کے ساتھ مکر کیا گیا۔ فریاد رسی کیجئے۔ تاکہ یہ صحیح سالم رہیں۔ ان وقائع سے ظاہر ہے کہ سخت مصیبت کے وقت صحابہ شافع ہر دوسرا صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتے اور مدد مانگتے تھے۔

﴿در واقعۂ بھنسا گفتنِ صحابہ رضی اللہ عنہ بحالت اضطراب یا محمد یا محمد﴾

ناسخ التواریخ اور واقدی رحمۃ اللہ علیہ میں واقعہ مرج القبائل میں لکھا ہے کہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے میسرہ ابن مسروق کو چار ہزار سپاہیوں کا امیر مقرر کر کے (دروب) کی طرف روانہ کیا۔ ہرقل نے دیکھا کہ مسلمانوں نے ادھر کا قصد کیا ہے۔ تیس ہزار کا لشکر مقابلہ کے لئے روانہ کر دیا جب وہ قریب پہونچا تو میسرہ متفکر ہوئے۔

﴿در واقعۂ مرج القبائل ہمہ لشکر یا محمد ﷺ یا محمد ﷺ گویاں حملہ می کردند﴾

عبد اللہ ابن حذافہ نے سبب دریافت کیا۔ کہا مجھے اپنی ذات کی کچھ فکر نہیں۔ خوف ہے تو یہ ہے کہ مسلمان کم ہیں۔ اور کفار زیادہ پس کس طرح مقابلہ کیا جائے۔ کہا۔ اے امیر ہم لوگ کبھی موت سے ڈرے نہیں۔ ہم نے تو اپنی جانیں خدا کی راہ میں وقف کر دی ہیں۔ اسی گفتگو میں تھے کہ کفار کا لشکر مقابلہ میں آ گیا۔ اور ان میں سے ایک شخص نے آگے بڑھ کر کہا کہ اے اہل عرب تم جو ہمارے پیچھے پڑھ گئے ہو معلوم ہوتا ہے کہ تمھیں موت یہاں گھیر لائی ہے۔ بہتر ہے کہ تم اپنے تئیں ہمارے حوالہ کر دو۔ تا کہ تمھیں قید کر کے ہرقل کے پاس بھیج دیں۔ ورنہ تم میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے یہ سنتے ہی ابو الہول دامس رضی اللہ عنہ اس کو قتل کر ڈالا۔ اور گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اس وقت دامس رضی اللہ عنہ کے ہمراہی میں ایک ہزار اشخاص تھے۔ جو یا محمد یا محمد کہتے ہوئے حملہ پر حملہ کرتے جاتے تھے۔ انتہیٰ ملخصاً۔ دیکھئے ندا کے جواز میں اگر ذرا بھی شک ہوتا تو اس زمانہ میں کوئی تو اس کا انکار کرتا اب انکار کیونکر ہو سکے۔ صحابہ

سے لیکر اس وقت تک کل مسلمان موافق مخالف سب جانتے ہیں کہ ہر مسلمان کو ضرور ہے کہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرروز پکارا کرے۔اس میں حضرت کو پکارنے کی ضرورت ہے۔اگر کوئی نہ پکارے تو وہ عبادت ناقص ہوجائیگی۔ بلکہ دوبارہ پڑھنے کی ضرورت ہوگی۔کیونکہ کوئی فقیہ یا محدث نہیں جو التحیات فرض یا نفل نماز میں پڑھنے کو ضروری نہ سمجھتا ہو۔دیکھئے اس میں جملہ ندائے یعنی **ایھا النبی** موجود ہے۔یہ ندا اس غرض سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ مشاہدۂ جمال الٰہی میں مستغرق رہتے ہیں۔اس موقع میں کس کی مجال تھی کہ اپنی طرف توجہ دلا سکے۔مگر بندہ نوازی سے یہ اجازت ہوگئی۔کہ جب چاہو ہمیں پکارلوتو ہم متوجہ ہوجائیں گئے۔خصوصاً اس وقت کہ بارگاہ الوہیت میں تمھیں حضوری نصیب ہو۔متوجہ کرکے ضرور سلام عرض کیا کرو۔یہ ہے سِرّ التحیات

میں سلام عرض کرنے کا۔اب رہی یہ بات کہ حکیمانہ مذاق میں یہ گوارا نہیں کہ وقت واحد میں تمام مسلمانوں کے طرف حضرت کی توجہ ہوسکے سو یہ بحث دوسری ہے اس قسم کے خیالات سے حکیموں نے خدائے تعالیٰ کوبھی معطل الوجود قرار دیا۔اور صاف کہہ دیا کہ خدائے تعالے کو معاذ اللہ

جزئیات کا علم ہی نہیں مگر اہل ایمان ان خیالات کو محض وساوس شیطانی سمجھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ خدائے تعالی ہر آن میں عالم کے ذرہ ذرہ کی طرف متوجہ اور حاضر ناظر ہے۔ اور قادر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی قوت عطا فرمائے کہ جب کوئی امتی آپ کو پکارے آپ اس کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ اور سب کے طرف آن واحد میں متوجہ ہو سکیں۔ اگر یہ محال ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے خدائے تعالیٰ کبھی نہ کہلواتا کہ نماز میں کل مسلمان " السلام علیک ایھا النبی " کہا کریں۔ کیونکہ حق تعالیٰ جانتا تھا کہ حضرت کی امت کے کروڑہا آدمی شرقاً وغرباً ہر زمانے میں السلام علیک ایھا النبی کہہ کر توجہ دلایا کرینگے۔ یہ بحث ہم نے انوار احمدی میں کسی قدر تفصیل سے لکھی ہے۔ اس مقام میں وہ بحث اور صلوۃ الحاجۃ جس میں یا محمد انی اتوجہ بک الی ربک اور دوسرے مباحث جو ندا سے متعلق ہیں مذکور ہیں۔ اگر انوار احمدی میں دیکھ لئے جائیں تو فائدہ سے خالی نہیں التحیات میں جو ندا کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کیا جاتا ہے اس سے یہ عرض معلوم ہوتی ہے کہ گویا ہم یہ غرض کر رہے ہیں کہ حسب الارشاد ہم بارگاہ الوہیت میں حاضر ہو گئے ہیں۔ مگر نہ ہم میں صلاحیت حضوری

ہے نہ ہماری عبادت شایان بارگاہِ کبریائی ہے۔آپ کی مدد درکار ہے کہ یہ عبادت اور عرض ومعروض درجہ اجابت تک پہنچ جائے۔اسی طرح صحابہ اور تابعین مصیبت کے وقت آپ کو پکار کر مدد مانگتے تھے۔کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ کو اس عالم میں تصرف دیا گیا ہے۔جیسا کہ خوابوں اور قرائن سے ثابت ہے۔

﴿در جنگ وردان تخویف نمودن ضرار رضی اللہ عنہ سب خودرا کہ شکایت تو پیش حضرت صلعم خواہم کرد و چالاک شدن اسپ﴾

فتوح الشام اور ناسخ التواریخ کی جلد دوم واقعہ جنگ اجنادین میں لکھا ہے جب دردان سپاہ سالار روم نے اپنا لشکر جس کی (۶۰) صفیں تھیں اور ہر صف ہزار سوار کی آراستہ کر کے مسلمانوں کے مقابل ہوا تو ضرار بن الازور رضی اللہ عنہ نے زرہ وغیرہ پہن کر اس لشکر پر حملہ کیا۔اور ادھر سے ان پر تیروں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔چونکہ زرہ سخت تھی۔زخم نہ لگا۔اور اس حملہ میں انہوں نے تیس سواروں کو قتل کیا۔اس کے بعد انہوں نے خود اور زرہ وغیرہ پھینک کر یہ کہتے ہوئے حملہ آور ہوئے کہ میں ضرار ابن الازور وردان کے بیٹے حمران کا قاتل اور تم لوگوں پر بلائے بے درماں کی طرح

مسلط ہوں ۔اس وقت لشکر روم کسی قدر پیچھے ہٹا۔مگر وہ حملہ کر کے لشکر میں گھس گئے ۔وردان نے ٹھنڈی سانس کھینچ کر کہا کہ یہ شخص میرے لڑکے کا قاتل ہے۔اگر کوئی اس کو قتل کرے تو جو کچھ چاہئے گا میں اسے دونگا ایک بطریق نے آکر کہا میں اس قتل کرتا ہوں چنانچہ۔ایک ساعت تک دونوں میں معرکہ آرائی ہوتی رہی۔آخر ضرار رضی اللہ عنہ نے موقع پا کر اس کے جگر میں نیزہ مارا جس سے وہ گر گیا۔وردان نے کہا کیا اور کوئی اس کا مقابلہ کرسکتا ہے لوگوں نے کہا یہ شخص جن ہے۔اس کا مقابلہ مشکل ہے۔وردان نے کہا خیر میں خود اپنے لڑکے کا بدلہ اس سے لے لیتا ہوں۔چنانچہ سامان جنگ سے آراستہ ہوا۔اور مقابلہ کو نکلنا چاہا تھا کہ اصطفان نام ایک سردار نے روبروآ کر کہا کہ اگر رحمران کے بہن کا نکاح میرے ساتھ کردیتے ہو تو میں اس کو قتل کرڈالتا ہوں۔اس نے قبول کیا وہ مقابلہ کو نکلا۔اور بہت دیر تک دونوں کا مقابلہ اس طور سے ہوتا رہا کہ دونوں لشکر کے لوگ تعجب کرتے تھے۔آخر خالد رضی اللہ عنہ نے پکار کر کہا۔اے ضرار یہ ستی کیسی ۔جنبش کرو اور جوان مردی دکھلاؤ۔یہ سنتے ہی انہوں نے غضب ناک ہوکر سخت حملہ کیا۔اصطفان نے ضرار رضی اللہ عنہ سے کہا کہ گھوڑے تھک گئے ہیں۔مناسب ہے کہ اب پیادہ ہوکر لڑیں

انہوں نے قبول کیا۔ چنانچہ اصطفان پیادہ ہوگیا۔ اس کا غلام جب اس کو پیادہ دیکھا تو اس کے لئے ایک گھوڑا لے کر لشکر سے نکلا۔ اس وقت ضرار رضی اللہ عنہ نے اپنے گھوڑے سے کہا اے بطّال تھوڑی دیر اپنی تیزی اور چالاکی دکھلا۔ ورنہ میں رسول اللہ علیہ وسلم سے تیری شکایت کرونگا۔ یہ سنتے ہی گھوڑا ہنہنایا۔ اور نہایت چست و چالاک ہوگیا۔ چنانچہ ضرار رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف اسے دوڑایا جو گھوڑا لا رہا تھا وہ نہایت پھرتی سے دوڑا۔ انہوں نے اس کو قتل کر اس کے گھوڑے پر سوار ہو جنگ میں مشغول ہوگئے۔ اور اس بطریق کو بھی قتل کر ڈالا۔ انتہیٰ۔ یہاں قابل توجہ یہ بات ہے کہ بطریق کے گھوڑے نے اتنی دیر کام نہیں کیا تھا جتنی دیر ضرار رضی اللہ عنہ کے گھوڑے نے کیا۔ کیونکہ وہ صبح سے اسی گھوڑے پر لڑ رہے تھے باوجود اس کے اس کا گھوڑا تھک گیا۔ اور اس کو گھوڑا بدلنے کی ضرورت ہوئی۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ضرار رضی اللہ عنہ کا گھوڑا کس قدر تھکا ہوگا۔ مگر جب انہوں نے اس کو دھمکی دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس میں تیری شکایت کرونگا تو وہ مستعد ہوگیا او رکارنمایاں کر دکھایا گھوڑے کو شکایت کی دھمکی دینی ظاہراً ایک دل لگی کی بات معلوم ہوتی ہے مگر جب ہم اس حالت اور مقام پر نظر ڈالتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے

کہ دل لگی کا اس مقام میں خیال تک نہیں آسکتا۔ وہ مقام تو ایسا تھا کہ موت آنکھوں میں پھر گئی تھی۔ کمال اضطرار و اضطراب کی حالت تھی۔ ایسی حالت میں یہ کہنا کہ تو آسانی کرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تیری شکایت کرونگا۔ بعینہ ایسا تھا جیسے بادشاہ کسی کی تعیناتی میں فوج دے۔ اور وہ خطرناک حالت میں رفاقت ترک کرنا چاہئے تو اس کو بادشاہ کے پاس شکایت کرنے کی دھمکی دے جاتی ہے جس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ سمجھ لیں کہ اگر ہم نہ لڑینگے تو بادشاہ ایسی سزا دیگا جس سے مرجانا اچھا ہے چنانچہ اس دھمکی سے وہ جان دینے پر مستعد ہوجاتے ہیں۔ اس دھمکی سے گھوڑے کے دل پر جو اثر پڑا معلوم نہیں کہ وہ کس قسم کی سزا ہوگی۔ جس سے وہ گھبرا گیا۔ مگر اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ ضرار رضی اللہ عنہ نے کچھ سمجھ کر وہ جملہ کہا تھا جس کو گھوڑا ابھی سمجھ گیا۔ اور مقصود حاصل ہوگیا۔ اب اگر ہم نہ سمجھیں تو ہماری عقل کا قصور ہے۔ الغرض اس واقعہ سے اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرفات اس عالم میں ایسے جاری ہیں جن کو جانور بھی سمجھتے ہیں اس وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہ سختی اور مصیبت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتے تھے۔ جیسا کہ ابھی متعدد واقعات سے معلوم ہوا۔ اگر ان حضرات کے نزدیک یہ ثابت ہوتا کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ ہماری آواز پہونچتی ہے نہ آپ مدد کر سکتے ہیں تو پکارنے کو فضول بلکہ گناہ سمجھتے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر وقت مدد کرنا اور امت کے حالات پر ہر وقت مطلع ہونا ان کے ذاتی مشاہدوں سے ثابت ہو گیا تھا۔

در واقعۂ قنسرین محسور شدن خالد رضی اللہ عنہ در سیدن امداد بریں طور کہ آنحضرت ﷺ در خواب ابوعبیدہؓ فرمودند کہ ہمیں وقت روانہ شو

واقدی رضی اللہ عنہ نے فتوح الشام کے واقعہ قنسرین میں لکھا ہے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دس صحابہ کے ساتھ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے لشکر سے دور ہو گئے۔ رات کا وقت تھا کہیں ٹھر گئے تھے۔ صبح کی نماز پڑھ کر جانا چاہا تھا۔ کہ جبلہ ابن ابہم نصرانی کا لشکر کثیر آ گیا۔ آپ بھی اس لشکر کے ہمراہ ہو گئے۔ جب قنسرین کے قریب پہنچے تو وہاں کا بطریق فوج لے کر جبلہ کے استقبال کو آیا۔ پہلے پہل خالد رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی ان کو اپنا ہم مشرب سمجھ کر کہا کہ مسیح تم کو سلامت اور صلیب تمھیں باقی رکھے۔ یہاں یہ سننے کی تاب کہاں۔ فوراً کہا کہ اے کمبخت ہم صلیب کے پوجنے والے نہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں اور کلمہ طیب پڑھ کر کہا اے خدا کے دشمن

میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ہوں ۔ یہ کہہ کر اس کو گرفتار کر لیا۔ لشکر کفار نے ساتھ ہی ان کو اور آپ کے ہمراہیوں کو گھیر لیا ہر چند ان حضرات نے کشتوں سے اس سرزمین کو بھر دیا۔ مگر ہزاروں کے مقابلہ میں دس گیارہ شخصوں کی ہستی ہی کیا۔ اول تو لڑتے لڑتے وہ تھک گئے تھے اس پر تشنگی کا غلبہ سب کو یقین ہو گیا کہ اب خاتمہ بالخیر ہونے کو ہے۔ ایسی نفس شماری میں تھے کہ ہاتف نے آواز دی کہ اے حاملین قرآن خوش ہو جاؤ مدد اور نصرت آپہونچی۔ چنانچہ اسی وقت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ مع لشکر پہونچ گئے۔ اور مسلمانوں کی فتح ہوگئی۔ دیکھئے وہاں تار تھا نہ ڈاک۔ نہ اتنی مہلت ملی کہ ہمراہیوں میں سے کسی کو بھیج کر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو خبر دیں۔ مگر وہاں انتظام ہی دوسرا تھا۔ کل واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ہو رہے تھے۔ جس طرح حضرت اس عالم میں حکم واحکام اپنی ذات سے فرماتے تھے۔ اس عالم میں تشریف لے جانے کے بعد بھی وہی طریقہ جاری رکھا۔ گو عموماً لوگوں کو اس کو اطلاع نہ تھی ۔ مگر بعض مواقع میں اطلاع بھی فرما دیتے تھے۔ چنانچہ اسی میں لکھا ہے کہ جس صبح میں یہ واقعہ پیش آیا اسی رات ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں نہایت سختی سے فرمایا کہ اے ابن جراح ایک بزرگ قوم دشمنوں کے ہاتھ

میں پھنسی ہے۔اور تم سوتے پڑے ہو۔اٹھو اور جلدی سے جاؤ انشاء اللہ تعالیٰ وقت پر پہونچ جاؤ گے۔ چنانچہ وہ فوراً اٹھے اور نہایت اضطراب سے کہا النفیر النفیر یعنی دوڑ و دوڑ ولوگوں نے کہا حضرت خیر تو ہے کہ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خبر دی ہے کہ موحدین کی جماعت کو کفار نے گھیر لیا۔ چنانچہ اسی وقت وہ فوج لے کر روانہ ہوئے۔اور اشد ضرورت کے وقت وہاں پہونچ گئے۔اب کہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مدداو رنصرت تھی یا نہیں۔اگر کہا جائے کہ مدد الٰہی تھی تو اس میں کسی کو کلام ہے۔حق تعالیٰ فرماتا ہے الیہ یرجع الامر کلہ مگر اس لحاظ سے یہ بھی کہنا پڑے گا کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے بھی مدد نہیں کی۔حالانکہ انہوں نے بموجب آیہء شریفہ ''تعاونوا علی البر والتقویٰ'' ان کی مدد کر کے اپنا فرض منصبی ادا کیا۔ سچ پوچھئے تو انہوں نے کیا ہی کیا مدد تو خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہوئی ہے چنانچہ ارشاد ہے ''قولہ تعالیٰ وما النصر الا من عند اللہ العزیز الحکیم'' اگر یہ سب وسائط ساقط ہو جائیں اور ہمہ اوست کا مضمون پیش نظر ہو تو وہ بات دوسری ہے مگر اس وقت بھی محققین وسائط و اسباب کو پیش نظر رکھے ہیں۔غرض کہ ایاک نستعین کے لحاظ سے انبیاء اور اولیاء کی مدد جائز نہ ہو تو ماو شما کی مدد بھی جائز نہ ہوگی۔اور اگر ماو شما کی مدد جائز ہے تو انبیاء

اور اولیاء کی مدد بطریق اولیٰ جائز ہوگی۔

واقعۂ مرج القبائل وابوالہول

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے جنگ مرج القبائل میں لکھا ہے کہ تئیس ہزار (۲۳) لشکر روم کے مقابلہ میں ابوالہول رحمۃ اللہ علیہ اوران کے ہمراہیوں نے جوایک ہزار تھے وہ جوان مردی دکھائی کہ اہل روم کے حوصلے پست ہوگئے اس وقت دس ہزار کی فوج نے انہیں گھیر لیا۔مگر ان کے استقلال میں فرق نہ آیا۔چنانچہ نو ہزار آدمیوں کو قتل کرڈالا۔جب دونوں لشکر جدا ہوئے تو ابوالہول رحمۃ اللہ علیہ نظر نہ آئے ان کی تلاش کی فکر ہورہی تھی۔کہ پھر آدمیوں نے حملہ کیا۔اورایک شخص کودس دس بیس بیس بلکہ پچاس پچاس شخصوں نے گھیر کر شہید کر ڈالا۔یا گرفتار کرکے لے گئے۔غرض کہ ابوالہول رحمۃ اللہ علیہ کا حال دریافت کرنے کی نوبت نہ آئی۔راوی کا قول ہے کہ معرکۂ کارزار گرم تھا۔کہ لشکر کفار میں شور مچا۔اور معلوم ہوا کہ ان کے پیچھے سے لوگ لڑتے ہوئے چلے آرہے ہیں۔اور لا الا اللہ محمد رسول اللہ کی آواز بلند ہے۔ہم نے خیال کیا کہ شاید فرشتوں کی آواز ہوگی۔غور کرنے سے معلوم ہوا کہ ابوالہول رحمۃ اللہ

علیہ اوران کے ساتھ والوں کی آواز ہے۔ چنانچہ لشکر کفار کو پھاڑتے اور جو سامنے آتا اس کو تہ تیغ کرتے ہوئے لشکر اسلام میں پہونچ گئے۔ جب لڑائی موقوف ہوئی میسرہ رحمۃ اللہ علیہ امیر الشکر نے حال دریافت کیا۔ کہا کہ کفار نے مجھ پر حملہ کر کے میرے گھوڑے کو قتل کر ڈالا۔ جس سے میں گر پڑا۔ اور انہوں نے قابو پا کر مجھے اور میرے چند ساتھ والوں کو زنجیروں میں جکڑ دیا۔ جب رات ہوئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ فرماتے ہیں اےئ (دامس) مت ڈرو۔ خدا کے پاس میرا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ یہ کہکر میرے اور میرے رفقا کے زنجیروں پر ہاتھ پھیرا۔ وہ فوراً گر گئیں۔ پھر نصرت اور فتح کی بشارت دے کر فرمایا میں تمھارا نبی محمد رسول اللہ ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) اور فرمایا کہ میسرہ کو ہمارا سلام پہونچا کر کہنا کہ خدا تمھیں جزائے خیر دے۔ یہ کہہ کر غائب ہو گئے۔ جب میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ زنجیریں گری ہوئی ہیں اور پھرے والے تھک کر خواب غفلت میں بے خود پڑے ہیں۔ ہم نے انہیں کی تلواریں وغیرہ لے ان کو قتل کر ڈالا۔ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت تھی جو ہمیں وہاں سے نجات ملی۔ انتہی۔ ابولہول رحمۃ اللہ علیہ جب گرفتار ہو کر زنجیروں میں جکڑے ہوئے قید میں ہونگے وہ رات میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس تشریف فرما ہو کر ان کو قید سے ایسے طور پر رہائی دی کہ کسی فرد بشر کو علم ہی نہیں بلکہ ہر کس و ناکس کو اس کا سمجھنا مشکل ہے تو کہئے کہ ان کا دل اس احسان پر اور اپنے مربی محسن پر کس درجہ فدا ہوتا ہوگا اگر ان سے کہا جاتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اب ان کو امت سے تعلق ہی کیا۔ اور یہ اعتقاد رکھنا شرک ہے کہ حضرت کو دور کے حالات بھی معلوم ہوتے ہیں تو کیا اپنے ذاتی مشاہدہ اور اس کے آثار ظاہر ہونے کے بعد ویسی باتوں کی طرف ان کی توجہ ہوگی؟ ہرگز نہیں۔ غرض کہ اس روایت سے ثابت ہے کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے خدمت گزار ہیں ان پر آپ کی خاص قسم کی توجہ مبذول رہتی ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ ان کی مشکل کشائیاں آپ برابر فرماتے رہتے ہیں۔

﴿حالات فتح دمشق﴾

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے صفحہ (۴۶) میں فتح دمشق کے حالات میں تفصیلی واقعات لکھے ہیں جن سے ظاہر ہے کہ اہل اسلام نے اس جنگ میں بہت سی سختیاں اٹھائیں جب مسلمانوں کا پورا امتحان ہو گیا اور وہ اس امتحان میں کامیاب ثابت ہوئے۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے خواب میں تشریف لاکر فرمایا کہ آج رات کو انشاءاللہ تعالیٰ فتح ہوجائیگی۔ یہ کہہ کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جانے کا قصد فرمایا۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا یارسول اللہ بہت جلد تشریف لیجاتے ہیں۔ فرمایا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جنازہ پر مجھے جانا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اسی شب فتح ہوئی اور دریافت سے ثابت ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال اسی شب میں ہوا تھا۔ انتہیٰ۔ ملخصاً۔ اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اس عالم اور اس عالم کے واقعات اور حالات برابر پیش نظر ہیں اور قرب و بعد یکساں ہے۔

﴿واقعۂ غزوۂ یرموک کہ بشارت فتح آں از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بخواب رسید﴾

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے صفحہ (۱۴۲) فتوح الشام کے واقعہ یرموک میں لکھا ہے کہ جب اس مقام کی فتح میں تاخیر ہوئی اور وحشت ناک خبریں عمر رضی اللہ عنہ کو پہونچیں تو وہ نہایت متفکر تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ کسی باغ میں تشریف رکھتے ہیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ ہیں عمر رضی اللہ عنہ نے سلام عرض کر کے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا

دل مسلمانوں میں لگا ہوا ہے خدا جانے ان کی کیا حالت ہوگی مجھے خبر پہونچی ہے کہ دس لاکھ ساٹھ ہزار رومی مسلمانوں کے مقابلے کو آگئے ہیں۔فرمایا اے عمر رضی اللہ عنہ! خوش ہوجاؤ کہ خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی۔اوران کے دشمن کو شکست ہوئی۔اور کفار کثرت سے مارے گئے۔عمر رضی اللہ عنہ نے صبح کی نماز پڑھتے ہی صحابہ کو یہ خوش خبری سنائی۔سب نہایت خوش ہوئے اوراس خواب کی تاریخ لکھ رکھے چند ہی روز میں فتح کی خبر آئی اور معلوم ہوا کہ اسی رات فتح ہوئی جس رات حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی تھی۔انتہیٰ۔صحابہ رضی اللہ عنہ جب ایسے واقعات بذات خود دیکھتے اور معتمد علیہ لوگوں کی زبانی سنتے ہونگے اوراس کی تصدیق وقتاً فوقتاً ہوتی ہوگی تو کیا ان تجربوں کے بعد بھی حضرت کے علم غیب ذاتی میں ان کو شک رہتا ہوگا ؟ ان ہی اسباب سے وہ ہمیشہ کہا کرتے ’’واللہ ورسولہ اعلم‘‘۔واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے صفحہ(۱۹۳) میں لکھا ہے کہ جب مسلمانوں کو شام میں فتح پر فتح ہونے لگی تو ہرقل نے مدد کے لئے فوجیں جمع کرنی شروع کیں اور ہر طرف سے صوبیدار اور سلاطین آنے لگے۔فلنطانوس بادشاہ رومیہ نے بھی ارادہ کیا اور چاہا کہ سلاطین سابقہ نے جو خزانہ جمع کیا ہے اسکو اس کام میں لائے۔اس غرض سے اس

مفصل مکان کو کھولنے کا ارادہ کیا جو طلسم سے بنایا گیا تھا وہاں کے محافظین نے کہا کہ اے بادشاہ اس گھر کو بن کر سات سو برس ہوئے کسی بادشاہ نے اسے نہیں کھولا بلکہ ہر ایک نے وصیت کی کہ کوئی نہ کھولے۔ فلنطانوس نہ مان کر اسے کھولا۔ دیکھا کہ ایک تختی پر بہت سی نصیحتیں لکھی ہیں اور ان میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب زمین پر گمرہی پھیل جائیگی تو زمین تھامہ میں ایک چراغ ہدایت روشن نکلے گا۔ جس سے جہل کی تاریکی دور ہو جائیگی ان کی سواری اونٹ ہوگی وہ توحید کی طرف بلائیں گے ان کا دین سب دینوں پر غالب ہو جائے گا پھر وہ عالم روحانی کو جائیں گے تو ایک نحیف شخص والیٔ ملک ہونگے جن کا دل منور بنور صدق ہوگا۔ ان جب کے بعد ایک شخص جن کا حملہ سخت ہوگا۔ عدل ان کی صفت اور حق ان کی منقبت جبہ ان کا پیوند لگا ہوا ہوگا۔ درہ ان کا تلوار کا کام دیگا۔ ان کے زمانہ میں بہت سی دولتیں جاتی رہیں گی۔ اس کے ظہور کا وقت وہ ہوگا۔ یہ مکان جو حکمت سے بنایا گیا ہے کھولا جائیگا اس شخص کی خوش خبری ہے جس کے دل میں حکمت مستحکم ہو۔ اور عقل میں حکمت کے چراغ روشن ہوں اور حق کو سمجھ کر پیروی کرے۔ اور باطل سے دور رہے۔ جب فلنطانوس نے وہ پڑھ لیا تو عطماؤس سے جو اس مکان کا متولی تھا۔ پوچھا کہ اے پدر مہربان اس

حکمت کے بارہ میں آپ کیا کہتے ہو کہا اۓ بادشاہ کیا کہوں جس کو بڑے بڑے لوگوں نے بنایا ہے اور حکما نے اس کو معلوم کرلیا ہے مگر اتنا تو کہہ سکتا ہوں کہ ہرقل کی دلولت معرض زوال میں ہے اور اس کا ملک سوریا سے قسطنطنیہ کی جانب منتقل ہوگیا۔اور یہی خبر جومہرانیس حکیم نے دی ہے کہ جب ہر مصفا کا نور فاران کے پہاڑوں سے ظاہر ہوگا تو ظلمت جہالت دور ہوجائے گی عدل ان کا خیمہ ہوگا لباس ان کا پیوند لگا ہواان کے زمانہ میں نجات وہی پائیگا۔جوان کی شریعت کی اتباع کریگا۔اس تقریر سے فلنطانوس کے دل میں اثر ہوامگر بظاہر لکھا کہ عرب کے بارہ میں غور کرنے کی ضرورت ہے اس وقت مجھے ہرقل کی مددکو جانا ضرور ہے کیونکہ ترک کا نامہ میرے نام آچکا کہ دین مسیح کی مددکروں۔اگرمیں دیرکروں گا تو محروم ہوجاؤں گا۔چنانچہ وہ تیس ہزار کر.جی سپاہیوں کو منتخب کر کے روانہ ہوگیا۔جب انطاکیہ میں پہونچا تو ہرقل نے نہایت تزک اورشان وشوکت سے استقبال کر کے اپنے سراپردوں کے مقابل اس کے سراپردے نصب کرائے اور لشکر روم میں بڑی خوشی ہوئی۔اور فتح ونصرت پر تفاول لیا گیا اور لشکر میں خوشی کے نعرے بلند ہوئےلشکر اسلام کے جاسوسوں نے جب یہ خبر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو پہونچائی کہ بادشاہ رومیہ آگیا اور لشکر کفار میں

خوشیاں منائی جارہی ہیں۔تو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ دعاء کے لئے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور بارگاہ کبریائی میں عرض کی الٰہی دشمنان اسلام ہمارے مقابلہ کے لئے فوجیں کثرت سے جمع کررہے ہیں اوران کو کمکی فوجیں پہونچ رہی ہیں۔تواس رات پرقادر ہے کہ ان کو پریشان کردے او ران کے قدم اکھاڑ دے۔الٰہی جس طرح تو نے احزاب کی لڑائی میں اپنے نبی کی مدد فرمائی تھی اب بھی مدد فرما۔اورہمیں نصرت دے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ یہ دعا کررہے تھے اور تمام اہل اسلام آمین کہ رہے تھے۔کیونکہ مسلمانوں کوظاہری اسباب کے لحاظ سے کسی قسم کی توقع نہ تھی اگر بھروسا تھا تو صرف خدائے تعالیٰ کی ذات پر۔اس وجہ سے یہ دعا اضطراری حالت میں نہایت خشوع وخضوع سے کی گئی۔اس کے بعد ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ معاذ بن جبل کی ہمراہی میں تین ہزار کالشکر دے کر سوا حل کے طرف روانہ کیا اتفاقاً ایک قافلہ ملا۔جس میں ایک ہزار جانوروں پر غلہ لدا ہوا ہرقل کی فوج کے لئے لیجارہے تھے۔معاذ رضی اللہ عنہ نے اس پر قبضہ کرلیا۔اورصحیح وسالم اس کولیکر لشکر اسلام پہونچ گئے۔یہ دعا کا پہلا اثر تھا۔کہ وہ غلہ جو طرابلس عکا صر۔صیدا۔قیساریہ۔اورقسطنطنیہ سے فراہم کرکے لارہے تھے گھر بیٹھے مسلمانوں کو مل گیا۔اورکس حالت میں

کہ مسلمانوں کو اس کی سخت حاجت تھی۔ اور کس موقع میں جہاں مسلمانوں کو پانی ملنا مشکل تھا۔ یہ ہیں خدائے تعالیٰ کے کارسازیاں کہ دشمنون کے ہاتھ سے اپنے دوستوں کی خدمت لی۔ کس شوق ومحبت سے اپنے بادشاہ کے پاس رسوخ حاصل کرینکے لئے انہوں نے وہ غلہ فراہم کیا ہوگیا۔ اور کس آسانی سے ان سے چھین کر مسلمانوں کو دے دیا گیا۔ الغرض ہرقل نے بہت ہی غضبناک ہوکر جنگ کا حکم دے دیا۔ اور صف آرائی ہوئی فلنطانوس اور دوسرے رئیس اور قلعہ دار کے قریب ایک ممتاز مقام میں ٹھیرے۔ اور یوقنا نے صفوں کی ترتیب دینی شروع کی۔ فلنطانوس نے ہرقل کی زین پر ہاتھ مار کر کہا ائے بادشاہ میں دوسوفرسخ سے اپنا ملک چھوڑ کر اس غرض سے آیا ہوں کہ آپ کے روبرو مسیح کی خدمت کروں۔ آپ کے لشکر نے اس وقت تک بہت جانفشانیاں کیں اب میں چاہتا ہوں ان کو شکست دے کر آپ کا اور اپنا دل ٹھنڈا کروں۔ ہرقل نے اس کا دل خوش کرنے کے لئے کہا کہ آپ کی سلطنت میری سلطنت سے قدیم ہے۔ عرب اس درجہ کے لوگ نہیں ہیں کہ ان کے مقابلہ کے لئے اپنی ذات سے جائیں اگر ایسا ہوتو بادشاہوں کی حشمت وعزت میں فرق آجائیگا۔ فلنطانوس نے کہا کہ ائے بادشاہ اب کونسی عزت وحشمت ہماری

باقی رہ گئی۔عرب نے ہماری عزت کو خاک میں ملا دیا۔اور ہماری دین کی عزت کو برباد کردیا جہاد ہر چھوٹے بڑے پر فرض ہے۔کیا آپ نہیں جانتے کہ جو شخص دنیا کو محبت کی نظر سے دیکھتا ہے اس کو خواہشیں اپنی طرف کھینچتی ہیں اور تعلق مزخرفات کے ساتھ بڑھتا ہے۔جس سے جہل کی کثافت اس کے سینہ میں جمتی ہے اور آخرت کی طلب سے اس کو روک دیتی ہے۔اور جو اپنی خواہشوں کو چھوڑ کر اپنے خالق کی اطاعت میں جلدی کرتا ہے اس کو دار قدس کی طرف ترقی ہوتی ہے۔میں نے دیکھا کہ تم لوگوں پر غفلت کا پردہ پڑ گیا اور ایسی چیزوں کے طرف مائل ہوئے جو فنا پذیر ہیں تو ایسی امت کو مسلط کیا جو سب سے زیادہ ضعیف تھی۔اور تم کو تمہارے ملک سے نکال دیا۔اور وطن سے دور ڈال دیا۔اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تم اس خواہشوں کو پورا کرنے پر اڑے ہوئے ہو اور حکم کرتے ہیں امر حق کا لحاظ نہیں رکھتے۔اور رعیت سے ایسے حقوق اور ٹکسیس لگاتے ہو جو تمھارا حق نہیں۔اور ظلم سے مال لیتے ہو۔اور زنا کا رواج دے رکھا ہے۔اسی وجہ سے تمہاری مدد نہیں ہوتی اور مصیبت پر مصیبت تم پر آرہی ہے۔جب فلنطانوس کا کلام کسی قدر سخت ہوا تو حاجب ہرقل نے بہ آواز بلند سختی سے کہا کہ اے سردار ایسے موقع میں بادشاہ پر اس قسم کا حملہ

نکرنا چاہئے تم سے بڑے بڑے لوگوں نے انھیں نصیحت کی مگر انھوں نے اسکی کچھ پرواہ نہ کی ۔ فلنطانوس اس کی سخت کلامی سے برہم ہوا اور ظاہراً تو کچھ نہ کہا مگر دل میں مخالفت پیدا ہوگئی جب رات ہوئی تو اپنے خاص خاص عہدہ دار اور مصاحبین کو بلا کر کہا کہ ایا تم لوگ اس بات پر راضی ہو کہ ہرقل کا دربان مجھ سے سخت کلامی کرے اور دوسرے ہم چشم بادشاہوں کے سامنے مجھکو جھڑکی دے تم جانتے ہو میرا گھر ہرقل کے گھر سے بڑا ہے اور اس کا نسب میرے نسب سے کم ہے اور میری سلطنت اسکی سلطنت سے قدیم ہے حکما کا قول ہے کہ نفس کی عزت بادشاہوں کے جاہ کے مقابل ہے اس کو ذلیل نہ کرنا چاہئے اور انکا قول ہے ان کو نصیحت مت کرو۔ کیونکہ تم اس کا نفع چاہو گے اور وہ تم کو ایذا دیکر اپنی خواہش پوری کرنا چاہیگا تم جانتے کہ اہم دوسو فرسخ سے یہاں آئے وہ خیال کرتا ہے کہ ہم اسکی دولت وافسری کیوجہ سے آئے ہیں اور ہم اس کے زمرۂ خدام میں شریک ہیں میرا نفس ہرگز گوارا نہیں کرتا کہ اس جاہل کی اطاعت کروں میں نے قصد کرلیا ہے کہ ان عربوں کے طرف جاؤں اور ان کا مذہب دریافت کروں اس مذہب کا حق ہونا ظاہر ہے صدق اسکی تائند دیتا ہے جو شخص اس دین پر ہوگا وہ قیامت میں ہول اکبر سے بے فکر رہیگا اس بات

میں تم کیا کہتے ہو انھوں نے کہا اے بادشاہ آپ کو اپنا دین اور ملک عزت چھوڑ کر ایسے لوگوں کے تابع ہونا جنکو نہ کوئی فضیلت ہے اور نہ ان کے پاس حکمت ہے کیونکر گوارا ہوتا ہے فلنطانوس نے کہا کہ حکمت بالغہ کا وطن توانہیں کے نفوس میں ہے کیونکہ نورتوحید نے ان کے ذہنوں کو مصفا کردیا اور مقناطیس ربّانیہ نے انکے جوہر عقول کو اپنے نبی کی شریعت کی پیروی کے جانب کھینچ لیا جو شخص چاہے کہ عالم علیّین سے ملے تو اسکو یہ نہ چاہیئے کہ زمین جہل پر ٹھیرے انھوں نے کہا اے بادشاہ ہم آپ کو دائمی عزت سے روکنا نہیں چاہتے اگر آپ ہمکو بھی حق کی راہ لیجانا چاہتے ہو تو ہم آپ کے ہیں اور آپ کے آگے رہیں گے فلنطانوس نے کہا کہ اب اپنے خیالات کو بھٹکنے نہ دو کل کی رات ہم اس حیلہ سے سوار ہونگے کہ ہرقل کے گھر کے اطراف حفاظت کے لئے چکر لگا رہے ہیں اور لشکر عرب میں چلے جائیں گے جب دوسری رات فلنطانوس تیار ہو کر سوار ہونے کا ارادہ کیا تو ہرقل نے یوقنا کی زبانی کچھ کہہ لایا یوقنا رحمۃ اللہ علیہ نے جب پیام پہونچا کر اٹھنا چاہا فلنطانوس نے پوچھا کہ تم کون ہو میں حاکم حلب ہوں کہا اپنا شہر تم نے کیوں چھوڑا کہا عرب ملک پر غالب ہو گئے اور سارے واقعات بیان کئے فلنطانوس نے کہا اچھا یہ تو بتاؤ کہ عربوں کے صفات جو تم

پر ظاہر ہوئے ہیں وہ کس قسم کی ہیں۔ کہا اے بادشاہ میں ان کے دین میں داخل ہوا اور ان کے معاملات پر مطلع ہوا اور اسرار سے واقف ہوا دیکھا کہ وہ یسی قوم ہے کہ باطل بات کو سنتی نہیں اور حق بات سے ٹلتی نہیں عبادت الٰہی میں ان کی یہ کیفیت ہے کہ رات کو سوتے نہیں جب بات کرتے ہیں تو اسمیں خدائے تعالیٰ ہی کا ذکر رہتا ہے ظالم سے مظلوم کا حق دلاتے ہیں ان میں جو غنی ہیں فقیروں کی امداد کرتے ہیں ان کے امیر فقیروں کے لباس میں ہیں۔ عزت والا اور ذلیل ان کے پاس ایکساں ہے فلنطانوس نے کہا کہ جب تم نے انکے ایسے حالات دیکھے تو کون چیز مانع تھی کہ ان کے دین پر قائم ہو جاتے اور انہیں میں رہتے کہا اپنے دین کی سچائی اور اپنی قوم کی رفاقت فلنطانوس نے کہا جو نفوس پاکیزہ ہوتے ہیں جب حق بات دیکھتے ہیں تو جاذبۂ یقین ان کو اخلاص کی طرف کھینچتا ہے اور وہ اعلیٰ علیئین کی طرف ترقی کر جاتے ہیں اس تقریر کے بعد یوقنا رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اسکی باتیں تو گواہی دیتی ہیں کہ دین اسلام کی حقانیت اس کے ذہن نشین ہوگئی اور دن بھر اسی فکر میں رہے۔ جب رات ہوئی تو فلنطانوس کے پاس آئے اس وقت وہ سوار ہونا چاہتا تھا۔ فلنطانوس نے ان سے کہا کہ خدائے تعالیٰ نے تم کو کس حجاب میں ڈال رکھا ہے جو متقین کی راہ کا اتباع نہیں

کرتے۔جو شخص طالب حق ہو اس کے لئے حق واضح ہے۔اور جو باطل کا اتباع کرتا ہے وہ اس سے چھپا ہوا ہے۔یوقنا رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اے بادشاہ یہ جو اشارہ آپ کرر ہے ہیں اس کے کیا معنی ہیں۔کہا اگر ہم بصیرت سے دیکھتے تو عرب کی ملت سے کبھی نہ ٹلتے۔اور نہ ان کے بدلہ میں دوسروں کو اختیار کرتے۔معلوم ہوتا ہے کہ تم ایسے نعمتیں طلب کرتے ہو جو زائل ہونے والے ہیں۔اور جس کا انجام عذاب ہے۔یوقنا رحمۃ اللہ علیہ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔اور وہاں سے نکل کر اس تلاش میں ہوئے کہ اصلی حالت کیا ہے۔اور اس راستہ میں جہاں مسلمانوں کا لشکر جانے کو تھا ٹھر گئے۔جب فلنطانوس سوار ہوا اور سدار پردہ سے باہر نکلا۔دیکھا کہ اپنے نبی اعمام مسلح ہو کر چار ہزار سواروں کے ساتھ تیار کھڑے ہیں۔یہ سب وہاں سے روانہ ہوئے اور لشکر اسلام کے قریب ہوئے تھے کہ یوقنا رحمۃ اللہ علیہ پیش ہو کر کہا کہ اے بادشاہ کیا لشکر اسلام پر حملہ کرنے کا ارادہ ہے۔کہا خدا کی قسم یہ ہرگز میرا خیال نہیں بلکہ میں ان کے دین میں داخل ہونے کے لئے جا رہا ہوں۔اب کہو کہ تمھیں اس دین میں داخل ہونے سے کون چیز مانع ہے۔اس وقت یوقنا رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اے بادشاہ مجھے بعض حوادث نے اپنے طرف کھینچ لیا ہے۔اور کل واقعات بیان

کر کے کہا کہ میں روم سے غدر کرنا چاہتا ہوں۔فلنطانوس بہت خوش ہوا۔کہ تم سے یہ کیونکر ہو سکے گا۔کیونکہ تمھارے ساتھ لوگ تھوڑے ہیں۔کہا اےئ بادشاہ میرے گھر میں اس وقت دوسوایک ہتر(۲۷۱) صحابہ موجود ہیں۔جو بیس ہزار فوج روم کے برابر ہیں میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ اس وقت لوٹ جائیں میں امیرالمسلمین کو اس واقعہ کی خبر دے دیتا ہوں۔کل جب صف آرائی ہوگی تو آپ اپنے لشکر کے ساتھ ہرقل کے قریب اور اس کو گھیرے ہوئے رہو اور میں شہر میں جا کر دوسو صحابہ جو قید ہیں ان کو رہا کر کے ہتیار دیتا ہوں۔لشکر اسلام جب حملہ کرے تو آپ مع لشکر ہرقل پر حملہ کر کے اس کو گرفتار کر لیجئے اور میں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ شہر میں داخل ہو کر انشاء اللہ تعالیٰ فتح کر لیتا ہوں۔اور اگر آپ ظاہر ہونا نہیں چاہتے تو کسی اعتمادی کے تحت میں لشکر دے کر تشریف لیجائیے۔فلنطانوس نے کہا کہ یہ کام جب میں نے اختیار کیا تو میرا خیال نہ اپنے ملک کے طرف تھا نہ دنیا کے اور کسی ملک کے طرف۔بلکہ جب یہ کام پورا ہو جائیگا۔اور میرے ہاتھ سے اسلام کی مدد ہوگئی تو میں مکہ معظّمہ کو جا کر حج کرونگا۔اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر شریف کی زیارت کر کے بیت المقدس میں رہوں گا۔یہاں تک کہ وہیں مرجاؤں گا۔اس

کے بعد کہا کہ ہمارے اس ارادہ کا حال امیر عرب کو کون پہونچائے گا۔ یوقنا رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ان کے جاسوس یہاں موجود ہیں۔ جن کو میں پہچانتا ہوں ان کے ذریعہ سے میں کہلا دیتا ہوں۔

﴿واقعاتِ فتح انطاکیہ﴾

یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک پیر مرد وہاں موجود ہوئے چونکہ شب تاریک تھی یوقنا رحمۃ اللہ علیہ نے بہت غور و تامل سے ان کو دیکھا کہ وہ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ ہیں انہوں نے سب پر سلام کر کے یوقنا سے کہا کہ امیر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے تمھیں دعاء دے کر یہ کہلایا ہے کہ انہوں نے خواب دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں کہ اےئ ابوعبیدہ خدائے تعالیٰ کی رضامندی اور رحمت کی تمھیں بشارت ہے کہ کل انطاکیہ صلح سے فتح ہو جائے گا۔ اور جو واقعات بادشاہ رومیہ یعنی فلنطانوس پر اس موقع میں گذرے اور جو پیش آنے والے ہیں سب بیان کئے اور فرمایا کہ یوقنا رحمۃ اللہ علیہ اور فلنطانوس تم سے قریب ہیں۔ ان کو اس سے مطلع کردو فلنطانوس نے جب ان واقعات اور بشارات کو سنا ایک ایسی حالت ان پر طاری ہوئی کہ جس کو وجد کہئے تو بے موقع نہ

ہوگا۔اور ساتھ ہی توحید ورسالت کی شہادت دے کر کہا کہ یہ دین بیشک حق ہے۔پھر وہاں سے لوٹ کر بادشاہ کے لشکر کے اطراف چکر لگائے۔یہ معلوم کرانے کے لئے بادشاہ کے لشکر کی حفاظت کرر ہے ہیں۔یوقنا رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر گئے۔واپس ہوئے تو راستہ میں بادشاہ کا حاجب ملا۔جو انطا کیہ سے نکلا تھا۔اواس کے ساتھ ضرار ابن از ور اور رفاعہ اور دوسو قیدی ساتھ تھے۔اور قصد کر چکا تھا کہ ان کو قتل کر کے ان کے سر مسلمانوں کے لشکر میں جب صف آرائی ہو پھینک دے۔جب یوقنا رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سنا تو کہا ائے رو برو ڈال دو گے تو ضرور وہ لوگ جس کو گرفتار کریں گے کبھی زندہ نہ چھوڑیں گے خدا سے ڈرو اور جلدی مت کرو۔اوران کو میرے پاس چھوڑ دو۔اور بادشاہ سے عرض کردو کہ ان کے قتل میں توقف کرنا۔اس وقت تک بہتر ہے کہ عربوں کا انجام کیا ہوتا ہے۔

﴿واقعۂ خالد بن ولیدؓ وقتے کہ بالشکر شام تنہا مقابلہ کردند﴾

حاجب قیدیوں کو یوقنا رحمۃ اللہ علیہ کے پاس چھوڑ کر بادشاہ کے پاس گیا اور جو انہوں نے کہا تھا بیان کیا۔بادشاہ نے کہا ان کو انہیں کے پاس چھوڑ دو۔حاجب آ کر کہا کہ بادشاہ کا حکم ہے کہ تم ان کی حفاظت

کرو۔ یوقنا رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو لیکر اپنے خیمہ میں آئے۔ مگر ان کا نکلنا انطا کیہ سے شاق ہوا۔ کیونکہ انہوں نے قصد کر لیا تھا کہ ان کی مدد سے شہر پر قبضہ کرلیں اگے۔ بہرحال جب خیمہ میں آئے تو ان کے بیڑئیں وغیرہ سب کاٹ دیئے۔ اور ہتیاران کو دیئے۔ اور ان کو اس مشورہ کی خبر دی جو فلنطانوس کے ساتھ ہوا تھا کہ ہرقل پر مسلط ہوجائیں ضرار رضی اللہ عنہ نے کہا خدا کی قسم کل میں جہاد کرکے خدائے تعالیٰ کو راضی کرلوں گا۔ واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہرقل نے خواب دیکھا ایک شخص آسمان سے اترا اور کے تخت سے اس کو گرادیا۔ اور تاج اس کے سر سے اڑ گیا۔ اور ایک شخص کہ رہا ہے جو زمانہ دور تھا۔ آ گیا۔ اور سوریہ تیرے ملک سے نکل گیا اور تیری سلطنت سوریہ سے زائل ہوگئی۔ شقاق ونفاق جا کر دولت وفاق قائم ہوگئی۔ اور اسی شخص نے لشکر میں پھوک ماری۔ جس سے تمام لشکر میں آگ بھڑک اٹھیں۔ جب ہرقل نیند سے بیدار ہوا تو سمجھ گیا کہ اب ملک کا زوال ہے۔ اب تمام اپنے اہل وعیال اور کنبے کے لوگوں کو روانہ کر دیا۔ اور اپنے غلام طالیس ابن رینوس کو جس اس سے بہت مشابہ تھا اپنا لباس پہن کر اپنے قائم مقام کر دیا۔ اور خود روپوش ہوگیا۔ جب طالیس صبح کو میدان جنگ میں کھڑا ہوا۔ اور معرکہ کارزار گرم ہوا۔ تو صحابہ نے

نہایت جانفشانی کی۔اور ادھر فلنطانوس نے طالیس کو گرفتار کرلیا۔یہ دیکھتے ہی لشکر کفار نے سمجھا کہ ہرقل گرفتار ہوگیا۔اور بھاگڑ مچی مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے ہزاروں کو قتل کیا۔اور تیس (۳۰) ہزار آدمیوں کو قید کرلیا۔اور تمام متاع اور خزانے وغیرہ لوٹ لئے۔اور کل اموال غنیمت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے روبرولائے گئے۔انہوں نے سجدۂ لشکر بجالایا۔اور تمام مسلمانوں نے ایک دوسرے پر سلام کیا۔اور یوقنا رحمۃ اللہ علیہ اور فلنطانوس اور ان کے رفقا جب ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو سب ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے۔اور کبار صحابہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا ہے کہ کسی قوم کا کریم جو تمھارے پاس آجائے تو اس کی تکریم اور بزرگی کرو۔فلنطانوس نے مسلمانوں کی تواضع اور حسن سیرت دیکھ کر کہا کہ خدا کی قسم یہی وہ قوم ہے جس کی بشارت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی۔اس وقت تمام خاندان کے لوگ اسلام لائے۔اور کفار کے ساتھ جہاد کئے یہاں تک کہ تمام شہر فتح ہوگئے اس کے بعد فلنطانوس حج کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر مبارک کی زیارت کے لئے مدینہ مبارک گئے۔عمر رضی اللہ عنہ نے جب ان کو دیکھا تو کھڑے ہوگئے۔انہوں نے اور تمام مسلمانوں نے ان سے

مصافحہ کیا۔ پھر وہ بیت المقدس میں جا کر عبادت میں مشغول ہوئے یہاں تک کہ انتقال ہو گیا۔

﴿وفاداری صحابہ رضی اللہ عنہ﴾

تاریخ واقدی میں لکھا ہے کہ جب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصر پر چڑھائی کی اور قبطیوں سے مقابلہ ہوا تو بہادران اسلام نے داد جوانمردی دی ایک ہزار سے زیادہ قبطیوں کو قتل اور بہتوں کو قید کرلیا اور باقی سب سامان وغیرہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو بہت سا مال اور غلام ولونڈیاں ہاتھ آئیں منجملہ ان کے ارمانوسہ بادشاہ مقوقس کی لڑکی بھی غنیمت میں ملی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ آپ لوگ جانتے ہو کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ''هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانُ إِلَّا الْإِحْسَان'' اور یہ بھی جانتے ہو کہ یہاں کے بادشاہ مقوقس نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ روانہ کیا تھا اور حضرت کی عادت تھی کہ ہدیہ قبول کر کے اس کا شکریہ ادا کرتے۔ ہم لوگ زیادہ تر مستحق ہیں کہ مقوقس نے جو ہدیہ بھیجا تھا اس کا معاوضہ کر دیں۔ اس لئے میری رائے ہے کہ شہزادی اس کے باپ کے پاس روانہ کردی

جائے۔سب نے بطیّب خاطر قبول کیا اوران کی رائے کی تحسین کئے اور شہزادی کواعزاز کے ساتھ روانہ کردیا۔انتہیٰ ۔ یہ غور کرنے کا مقام ہے کہ شہزادی کا ملجانا کوئی معمولی بات نہیں ایک نعمت غیر مترقبہ تھی جس سے ہر شخص کواس وقت یہ خیال ہوگا کہ اس کے معاوضہ میں بڑے بڑے منافع حاصل کرسکتے ہیں بادشاہ اپنے جگر گوشہ کے معاوضہ میں ہماری کوئیبات رد نہ کرسکے گا ایسی نعمتِ عظمیٰ اسے دست بردار ہوجانا کوئی آسان بات نہیں خصوصاً ایسے وقت میں کہ ایک بڑے ملک کوفتح کرنے جارہے ہیں جہاں چھوٹے چھوٹے ذرائع کامیابی بڑی وقعت کی نظروں سے دیکھے جاتے مگر سبحان اللہ کسی بزرگوار نے یہ بھی تو نہ کہا کہ یہ امر خلاف مصلحت ہے۔ادھر ایک عقیدت مند نے اپنی رائے پیش کی ادھر تمام لشکر نے فوراًاس کوقبول کرلیا۔کیوں نہ ہوسب ایک رشتۂ عقیدت میں بندھے ہوئے تھے۔

زلف ہزار دل بہ یکتے تار موبہ بست ۔۔۔ راہ ہزار چارہ گراز چار موبہ بست

اگران حضرات کے معمولی طبائع ہوتے توضرور اعتراض پیش کیا جاتا کہ اگر مقوقس نے ہدیہ بھیجا تھا تو وہ ایک معمولی بات تھی جو سلاطین میں ہوا کرتی ہے اوروہ ہدیہ ہی کیا تھا۔دو چار لونڈیاں ایک غلام۔ایک گھوڑا۔ایک گدھا ایک خچر اور کچھ شہد وغیرہ اس کے معاوضہ میں ایسی

نعمتِ غیر مترقبہ کو دے دینا ہرگز مقتضائے عقل نہیں۔ پھر اگر معاوضہ دیا بھی گیا تو کیا فائدہ۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہوتے تو ممکن تھا کہ خوش ہوتے۔ اب تو۔ مصرعہ

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

کا مضمون ہے۔ آدمی جب مر اوہ گیا گزرا ہو گیا اس کو خوش کرنا اور اس کا خوش ہونا ممکن نہیں۔ غرض اس قسم کی بیسوں عقلی دلائل پیش کرتے اور اس پر بہت زور دیا جاتا کہ مردہ کی خوشی کے واسطے کوئی کام کرنا نہ عقلاً درست ہے نہ شرعاً مگر ان حضرات تک تو نئے خیالات کا گذر ہی نہ تھا وہاں تو وہ خیالات جمے ہوئے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور فیضان صحبت نے ان کے دلوں میں کندہ کر دیا تھا اس لئے کسی کو ان رکیک خیالات کا خطور بھی نہ ہوا اور سب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کو اپنی کامیابی پر مقدم رکھا۔ محبت اسے کہتے ہیں کہ جو وفاداری اور جاں بازی روبرو تھی وہی غائبانہ ہے۔ اس میں ذرا بھی فرق نہیں او جو امیدیں حضرت کی خوشنودی کے ساتھ پہلے وابستہ تھیں اب بھی ہیں کیوں نہ ہو صحابہ کی محبت ایسی نہ تھی کہ صرف اشعار میں رونے رولانے کی غرض سے عمدہ مضامین تراشے جائیں بلکہ اس زمانے میں شعراء جو وجد انگیز عالی

مضامین میں اشعار لکھ عشاق کے دلوں کو ہلا دیتے ہیں وہ ان حضرات کی سچی حالت تھی اواس اخلاص وعقیدت مندی کے نتائج بھی ان حضرت کو حاصل ہوتے تھے۔واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھاہے کہ جب لوقا اور ہر بیس جولشکر شام کے بڑے سردار تھے دمشق سے بھاگے۔ایک روز بولس جو اسی جنگ میں مسلمان ہوگئے تھے خالد رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کا قصد تھا کہ ان دونوں کا تعاقب کریں کیا وجہ ہے کہ اس عرصہ میں بہت دور نکل گئے ہونگے کیونکہ بھاگنے والا جان بچانے کی غرض سے بہت تیز رو ہوتا ہے ہمیں امید نہیں کہ ان کو پاس کیں۔کہامیں اس ملک کے راستہ سے واقف ہوں بہت نزدیک کے راستہ سے آپ لولیجا سکتا ہوں۔مگر آپ مع لشکر نصرانیوں کالباس پہنئے کیونکہ نصرانیوں پر سے گزرنا ہوگا چونکہ مقصود اس بادپیمائی سے رضائے الٰہی حاصل کرنا تھا فرمایا مضائقہ نہیں چنانچہ آپ نے مع چار ہزار اہل اسلام کے نصرانیوں کالباس زیب بدن فرمایا اور یہ کہتے ہوئے روانہ ہوئے۔شعر

ازکوچہ اش گذشتین مقصود عاشقان است
برسر کلاۃ تری باشد دیا کیانی

واقعۂ خالد بن ولیدؓ وقتے کہ بالشکر شام تنہا مقابلہ کردند

اور تھوڑے عرصہ میں ان کو پالیا اور جنگ عظیم ہوئی جس میں لوقا جو

ہرقل کا داماد تھا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا اب تمام بہادراں لشکر شام اس تاک میں ہیں کہ کسی طرح خالد رضی اللہ عنہ کو شہید کرڈالیں اوان کی یہ حالت کہ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ میں بہادر سوار ملک عرب ہوں کیا تم گمان کرتے ہو کہ ہم تم پر قابض نہ ہونگے یہ ہرگز نہ ہوگا یہ وہ وقت تھا کہ لشکر شام کو ہزیمت ہوچکی تھی اور بہادران اسلام غنیمت لوٹنے میں مشغول تھے ہربیس جو سپہ سالار لشکر شام تھا بہادر افسروں سے خطاب کرکے کہا کم بختوں یہ وہی شخص ہے جس نے خطہ شام کو الٹ دیا۔ بصریٰ۔ فاران۔ دمشق۔ اوراجنادین کو فتح کیا۔ اس وقت یہاں سے اب اس کو جانے نہ دو۔ ہرطرف سے بہادران شام آپ پر ٹوٹ پڑے۔ اورآپ تنہا ان سے لڑرہے تھے چونکہ وہ پہاڑی مقام تھا۔ گھوڑے کام نہیں دیتے تھے۔ اس لئے بہادران شام نے پیادہ ہوکر خالد رضی اللہ عنہ کو گھیرلیا آپ بھی پیادہ ہوگئے اوداد جواں مردی دے ہے تھے کہ ہربیس نے پیچھے سے آکر آپ پراس زور سے وارکیا کہ آپ کا خود کٹ گیا۔ اور اس ہاتھ سے تلوار گرگئی اس وقت آپ کو خیال ہوا کہ ہربیس کے طرف متوجہ ہوں تو جتنے لوگ مقابل ہیں ان کو موقع مل جائیگا اوراسی حالت پر رہوں تو دشمن قوی کو پورا موقع حاصل ہے کہ دوسرا وار کرے اس وقت آپ

کوسوائے اس کے کچھ نہ سوجھا کہ نہ آواز بلند تکبیر وتہلیل کہہ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا اس کے بعد تھوڑا عرصہ نہیں گزرا تھا اہل اسلام کی فوج کلمہ پڑھتی ہوئی پہونچ گئی اور فتح ہوگئی۔

﴿ندا آمدن از غیب برائے امداد خالد رضی اللہ عنہ﴾

خالد رضی اللہ نے عبدالرحمٰن ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ وغیرہ جو تائید کے لئے آئے تھے ان سے پوچھا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں یہاں ہوں انہوں نے کہا ہم اہل شام سے لڑ رہے تھے جب ان کو ہزیمت ہوئی تو مال غنیمت کے لوٹنے میں مشغول ہوگئے اس وقت غیب سے آواز آئی کہ تم غنیمت میں مشغول ہو اور ادھر رومیوں نے خالد رضی اللہ عنہ کو گھیر لیا ہے یہ سنتے ہی ہم سب چھوڑ کے آپ کی مدد کو نکلے اور ہمیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ آپ کہاں ہیں ایک پہلوان نے ہمیں یہ خبر دی کہ آپ اس پہاڑ میں ہیں جب آپ تن تنہا ایک فوج کثیر سے گھر گئے اور ہر طرف جہاں تک نظر پڑتی ہے سب خون کے پیاسے نظر آتے ہیں اور ایک قوی پہلوان ایک وار کر کے دوسرا وار کرنے کے لئے مستعد سر پر کھڑا ہے اور اتنی بھی فرصت نہیں کہ اس کو مڑ کر دیکھیں اور اس کا دفعہ کریں اور رفیقوں کا یہ حال کہ خبر

تک نہیں وہ کہاں ہیں کہئے وہ کیسی خطرناک اور مایوسی کی حالت ہوگی اس وقت درود شریف کا یاد آجانا ایک حیرت خیز امر ہے کیونکہ وہ وقت وظیفہ پڑھنے کا نہ تھا وہاں تو یہ ضرورت تھی کہ اس خطرناک تہلکہ سے کسی طرح رستگاری ہو اور دشمن پر فتح پائیں ظاہر ادرود شریف کو اس سے کوئی مناسبت نہیں مگر وہ حضرات صحبت یافتہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تھے وہ جانتے تھے کہ بارگاہ کبریائی میں جو عرض ومعروض اپنے آقائے دارین کے توسل سے پیش ہو اس کی پذیرائی فوراً ہو جاتی ہے چنانچہ احادیث سے ثابت ہے کہ ہر دعا کے اول وآخر درود شریف پڑھا جائے اس میں یہ لم ہے کہ درود شریف ایک خاص قسم کی دعا ہے جو حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کی جاتی ہے۔اس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ ہم بھی حضرت کے دعا گویوں میں ہیں ورنہ خدائے تعالیٰ نے آپ کو وہ مدارج ومراتب عطا فرمائے ہیں کہ کسی کا وہم وخیال بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا یہی دعا گوئی اور خیر خواہی پسند بارگاہ کبریائی ہے جس کا اظہار عرض حاجت کے وقت کیا جاتا ہے غرض کہ اس نازک حالت میں بجائے اس کے کہ کچھ دعا کریں درود پڑھنے لگے اور بارگاہ کبریائی میں عرض کی تو یہ کی یا اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیج جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں اپنے مرنے کا غم نہ

جینے کی خوشی ہمارا مقصود اصلی یہ ہے کہ ہمارے آقائے نامدار پر توپے درپے درود وسلام بھیج۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس سے بہتر حسن طلب کا کوئی طریقہ نہیں ہوسکتا کیونکہ جب بارگاہ کبریائی میں یہ بات باور کرادیگئی کہ مرتے دم تک ہم تیرے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دم بھرتے ہیں اور ایسی نازک حالت میں دعا بھی ہے تو یہی کہ الٰہی ہر طرح کا فضل احسان ورحمت اپنے حبیب پر فرما تو ایسے عقیدت مند خیر خواہ جان نثار پر کس قدر مہربانی توجہ حضرت کی ہوگی اور قاعدہ ہے کہ جو دوست کا خیر خواہ جان نثار ہو اس سے ایک خاص قسم کی محبت ہوتی ہے اور اس کی حاجت روائی باعث خوشنودی دوست سمجھی جاتی ہے غرضکہ اس نازک حالت میں حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو خلوص تھا بارگاہ کبریائی میں پیش کر کے اپنی حاجت کا اظہار کیا کہ اگر اس وقت حاجت ہے تو یہی ہے کہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر پورا فضل وحسان فرما اور اپنے ذاتی حاجت پر اس کو مقدم کر کے اپنی حاجت اور ضرورت کو حق تعالیٰ کی مرضی پر تفویض کردیا۔اب اسے مخلص کی حاجت روائی میں کس قدر توجہ ہونی چاہئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یا تو وہ حالت تھی کہ جس کو دم واپسی کہیں تو بیجا نہ ہوگا یا فوراً انقلاب عظیم ہوگیا۔اور فوج عظیم پر ان کا غلبہ ہو کر فتح ہوگئی یہ

سب طفیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ثمرہ اس دعا گوئی کا تھا جو اس نازک حالت میں کی گئی اگر ہم میں وہ خلوص نہیں تو ان حضرات کی تقلید ہی کر کے انشاء اللہ فائز المرام ہو سکتے ہیں۔

خلوص و برکت آں

آکام المرجان میں لکھا ہے کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک درخت تھا جس کی پرستش لوگ کرتے تھے۔ایک شخص نے یہ حالت دیکھ کر حمیت اسلام کے جوش میں اس کو کاٹنا چاہا۔جب کاٹنے لگا تو شیطان نے آدمی کی شکل میں آکر کہا یہ کیا کرتے ہو۔کہا کہ لوگ خدائے تعالٰی کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتے ہیں۔اس لئے میں اسے کاٹ ڈالتا ہوں۔شیطان نے کہا کہ میں ایک بات ایسی بتاتا ہوں کہ آپ کو اس سے زیادہ نفع ہو۔کہا وہ کیا اس کو چھوڑ دیجئے اس کے مصاوضہ میں ہر روز دو دینار یعنی اشرفیاں آپ کو پہونچ جایا کرینگی۔صبح ہوتے ہی آپ اپنے تکیہ کے نیچے سے لے لیا کیجئے۔کہا اس کا اطمینان کیونکر ہو سکے۔کہا میں ضامن ہوں۔یہ سن کر مکان کو آ گیا صبح ہوتے ہی جب دیکھا تو فی الواقع تکیہ کے نیچے دو دینار رکھے ہوے تھے لے لیا۔دوسرے روز جب تکیہ کے نیچے

دیکھا تو کچھ نہ تھا۔غصہ میں آکر کہا کہ اب تو اس درخت کو کاٹ ڈالوں گا۔جب وہاں پہونچا اور کاٹنا چاہا تو پھر ایک شخص آکر پوچھا کہ یہ کیا کرتے ہو۔کہا لوگ خدائے تعالیٰ کی عبادت چھوڑ کر اس درخت کی پرستش کرتے ہیں اس لئے اس کو کاٹ ڈالتا ہوں۔کہا تو جھوٹا ہے۔اب ہرگز نہیں کاٹ سکتا۔اس نے یہ سن کر کاٹنے لگا۔اس شخص نے اس کو زمین پردے مارا اور گلا گھونٹتے ہوے پوچھا کہ تو جانتا ہے میں کون ہوں۔میں شیطان ہوں۔اول جب تو نے یہ قصد کیا تھا تو غصہ خدا کے واسطے تھا اس لئے میں کچھ نہ کرسکا۔اس لئے کہ دو دینار کی چاٹ لگادی۔آج کا یہ غصہ تیرا دینار نہ ملنے کی وجہ سے تھا اس میں تجھ پر غالب ہوگیا۔انتہیٰ

دیکھئے دونوں وقت کام ایک تھا۔یعنی پرستش درخت کو موقوف کراتا مگر خلوص کے وقت کامیابی کی توقع تھی۔اور غرض ذاتی کے وقت معاملہ بالعکس ہوگیا۔اس سے ظاہر ہے کہ نہ بت پرستی سے خدائے تعالیٰ کا کوئی نقصان ہے۔نہ اس کے موقوف ہونے سے کوئی نفع۔بلکہ دونوں صورتوں میں بندوں ہی کا نفع یا نقصان ہے۔

حالاتِ صحابہ رضوان اللہ عنہم کہ حمایت دین بخلوص میکردند

صحابہ خلوص سے دین کی حمایت کرتے تھے اس سے ان کے مدارج بڑے اور اس خلوص کا یہ اثر ہوا کہ دور دراز تک اسلام پھیل گیا۔ اور اقوام کے دلوں میں ان کی عزت وہ ہوئی کہ کسی قوم کو نصیب نہیں۔ اس کے بعد جب خلوص جاتا رہا تو بجائے ترقی تنزل شروع ہوا اور مسلمانوں کی وہ عزت جو اسلام کے زمانہ میں دوسری قوموں کے دلوں میں تھی جاتی رہی۔ غرض کہ جو کام خلوص سے کیا جائے اس میں ایمانی فائدہ ہے۔

محبت انصاریہ از آنحضرت صلعم بمقابلہ پدر و شوہر و برادر

شفاء میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اور اس کی شرح میں خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے بیہقی وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ جنگ اُحد میں ایک انصاریہ بیوی کے باپ بھائی اور خاوند شہید ہو گئے جب انھیں یہ خبر پہونچی تو بے اختیار دوڑیں اور ہر طرف پوچھتی تھیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم کی کیا حالت ہے

لوگوں نے کہا خیریت ہے۔ کہا اس سے میری تسکین نہیں ہوسکتی جب تک کہ جمال جہاں آرا کو میں اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔ چنانچہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کی گئیں۔ جب آپ کو انہوں نے مسند آرائے صحت دعافیت پایا کمال مسرت سے کہا **كل مصيبة بعدك جلَلٌ** یعنی یارسول اللہ علیہ وسلم جتنی مصیبتیں آپ کے بعد ہیں سب آسان ہیں۔ انتہیٰ۔ ہر شخص جانتا ہے کہ عورت کو اپنے باپ بھائی سے خصوصاً شوہر سے کیسی محبت ہوتی ہے اور ان کے مرنے سے عورتوں کا کیا حال ہوا کرتا ہے عمر بھر یہ داغ ان کے دلوں کو جلاتا رہتا ہے۔ ان قرابتداروں سے ایک ایک موت جو آفت ڈھاتی ہے محتاج بیان نہیں پھر جب وقت واحد میں تینوں کی موت کی خبر یکا یک پہونچی ہوگی تو دل کا کیا حال ہونا چاہئے مگر سبحان اللہ وہاں تو سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال کے کسی کا خیال بھی نہ تھا۔

نیست برلوح ولم جز الف قامت یار   چہ کنم حرف وگر یاد نداد استادم

اس لئے کسی کی موت کا ان کے دل پر کچھ اثر نہ ہوا اور جب تک انہوں نے بچشم خود حضرت کو دیکھ نہ لیا کسی کے طرف توجہ نہ کی اور کس عمدگی سے یہ مضموں ادا کیا۔ کہ جب آپ سلامت ہیں تو پھر ہمیں کسی کا کیا غم۔ یہ امر

پوشیدہ نہیں کہ قرابت قریبہ کا غم آدمی کی فطرت میں داخل ہے باوجود اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ان کے دل میں کیسی مستحکم اور راسخ ہوگی کہ یہ فطرتی امر بھی اس کے مقابلہ میں سر نہ اٹھا سکا۔ چونکہ فطرتی اور طبعی امور پر امر عارضی غالب نہیں ہوسکتا اس وجہ سے یہ بات کبھی سمجھ میں نہ آئیگی کہ ان بیوی کو سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال کے شوہر وغیرہ مقتولوں کا اس وقت کچھ غم نہ تھا فی الحقیقت آدمی وہی بات سمجھ سکتا ہے جس کا کبھی اسے وجدان ہوا ہو اور جن امور کا کبھی وجدان ہی نہ ہوا ہو تو سمجھ اس کی ان سے قاصر رہتی ہے مگر عقل کی رو سے درست نہیں۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

کیونکہ یہ ضرور نہیں کہ ایک شخص کے کل وجدان دوسرے کے جیسے ہوں۔ دیکھ لیجئے جن طبیعتوں کو شعر کا مذاق ہوتا ہے۔ ان کو بعضے اشعار پر وہ تلذذ ہوتا ہے کہ وجد کی کیفیت ان پر طاری ہو جاتی ہے اور دوسروں کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا علیٰ ہذا القیاس عنین کو جماع کے التذاذ کا وجدان ممکن نہیں غرض کہ ان بیوی پر جو وجدانی کیفیت اس وقت طاری تھی اس کے آثار یہ بتلا رہے ہیں کہ ان کہ اس وقت شوہر وغیرہ کا ذرا بھی غم نہ تھا بلکہ ہمہ تن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر میں مستغرق تھیں بات یہ ہے کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے ساتھ نسبت عشقیہ ہونا ایک دولت عظمٰی ہے ہر کسی کو کہاں نصیب ہو سکتی ہے۔

مصرع طعمہ مرغ کے انجیر نیست

﴿معنی حدیث لایومن احدکم﴾

اہل اسلام میں وہی لوگ بڑے درجہ کے سمجھے جاتے ہیں جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کمال درجہ کی محبت ہوتی ہے اور کمال درجہ کے ایمان کا مدار بھی اسی پر رکھا گیا ہے جیسا کہ صحیح حدیث شریف میں وارد ہے۔کہ" لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من ولده ووالده والناس اجمعین "۔یعنی کوئی ایمان نہیں لاتا جب تک اس کے دل میں میری محبت اولاد اور باپ اور تمام لوگوں کی محبت سے زیادہ نہیں ہوتی اس پر قرینہ یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ حالت تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف میں کوئی شخص کیسا ہی دوست ہو اگر کچھ کہتا تو وہ ہرگز نہ مانتے اور حضرت ہی کی اطاعت کرتے اس کی وجہ یہی تھی کہ محبّ اپنے محبوب کی اطاعت کرتا ہے جیسا کہ مشہور ہے ان المحب لمن یحب یطیع اس حدیث سے جو معلوم ہوتا ہے کہ ایمان سے پہلے صحابہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو جاتی تھی اس کی وجہ

یہ تھی کہ جو کفار منصف مزاج تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عادات اور حرکات وسکنات پر غور کیا کرتے تھے پھر جب ان تمام امور میں غیر معمولی کمال مشاہدہ کرتے تو بالطبع آپ سے ان کو محبت ہو جاتی تھی کیونکہ طبیعت انسانی کمال پسند واقع ہوئی ہے دیکھ لیجئے کہ کسی کمال کا شخص کسی شہر میں آجاتا ہے تو لوگ اس کے گرویدہ ہو جاتے اور ان کو اس سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ کسی بزرگ کا قول ہے ع کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی۔ جب ایک کمال باعث محبت ہو جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات تو مجمع کمالات صوری معنوی تھی سوائے متعصب کے ایسا کون ہوگا جس کو آپ کے ساتھ ذاتی محبت نہ ہوتی ہوگی۔ حضرت کے کمالات تو بے انتہا ہیں مگر اس میں سے چند یہاں بطور مشتے نمونہ از خروارے لکھے جاتے ہیں۔

﴿شرافت نسبی وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم﴾

آپ کی شرافت نسبی تمام ملک عرب میں مسلم تھی کیونکہ آپ قریشی اور ہاشمی تھے اور قبیلۂ قریش اور اس میں خاص بنی ہاشم نہایت معظم اور مکرم مانے جاتے تھے کیونکہ کعبہ شریف جو ملک عرب میں واجب التعظیم تھا اس

کے کل خدمات اسی قبیلہ سے متعلق تھے۔ اور علاوہ اس کے قبیلہ کی شجاعت اور سخاوت شہرۂ آفاق تھی۔

﴿شجاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم﴾

آپ کی شجاعت کا یہ حال تھا کہ اسد اللہ الغالب علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب کبھی ہنگامۂ کارزار گرم ہوتا اور دونوں فوجیں باہم قریب ہوجاتیں تو ہم لوگ حضرت کی پناہ میں آجاتے اور حضرت سب سے آگے دشمن کے قریب رہتے اور یہ بھی آپ نے فرمایا ہے کہ میری اور سب اہل لشکر کی حالت جنگ بدر میں یہی تھی حضرت کی پناہ میں ہم لوگ چلتے تھے اور حضرت فوج اعداء کے جانب بڑھے جاتے تھے۔ آپ کی طاقت اور قوت جسمانی کی یہ کیفیت تھی کہ ابورکانہ جو تمام عرب میں زبردست پہلوان مانا جاتا تھا جس کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا تھا اس نے ایام جاہلیت میں یعنی بعثت سے پہلے آپ سے کشتی کی درخواست کی آپ نے قبول فرمایا اور متواتر تین بار اس کو زمین پر دے مارا اس کا فرزند رکانہ بھی نہایت قوی پہلوان تھا بعد بعثت جب آپ نے اس کو دعوت اسلام کی اس نے کہا کہ اگر آپ کشتی میں مجھ پر غالب ہوجاؤ گئے تو میں مسلمان ہوجاؤں گا چنانچہ

کشتی ہوئی اور آپ اس پر غالب ہو گئے اور وہ مشرف بہ اسلام ہوئے، الخصائص وغیرہ۔

﴿قوت ومروت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم﴾

آپ کی مروت کا یہ حال تھا کہ ابو طالب ہر روز صبح لڑکوں کو کھانا کھلایا کرتے ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہوتے۔ لڑکے حسب اقتضائے طبع دست درازی کر کے ایک دوسرے کے سامنے سے کھانا کھا لیتے۔ چنانچہ حضرت کے روبرو سے لے لیتے اور حضرت خاموش بیٹھے رہتے اور بھوکے رہ جاتے تھے ابو طالب نے یہ دیکھ آپ کا کھانا ہی علحدہ مقرر کر دیا۔ اب غور کیجئے کہ لڑکپن میں جب یہ حالت ہو تو ایام نبوت میں کیا حال ہوگا۔

﴿تواضع وفصاحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم﴾

تواضع کا یہ حال تھا کہ آپ فرمایا کرتے ہیں ایک بندہ ہوں جس طرح غلام کھاتے ہیں میں بھی کھاتا ہوں اور جس طرح غلام بیٹھتے ہیں میں بھی بیٹھتا ہوں اور اکثر آپ مسکینوں کی بیمار پرسی فرماتے اور فقراء کے ساتھ تشریف رکھتے اور کسی مجلس میں جاتے تو جہاں جگہ مل جاتی وہیں تشریف

رکھتے اگر غلام بھی آپ کی دعوت کرتا تو تشریف لیجاتے ایک بار ایک عورت خدمت میں حاضر ہوئی جس کی عقل میں کچھ فتور تھا اور عرض کی کہ مجھے آپ سے کچھ کام ہے فرمایا مدینہ کے جس راستہ میں بیٹھنا منظور ہو بیٹھ جا۔ میں وہیں آجاؤں گا چنانچہ وہ کسی راستہ میں بیٹھی اور آپ بھی اس کے ساتھ وہاں بیٹھ گئے اور جو اس کی التجا تھی وہ پوری فرمادی۔ فصاحت کا یہ حال کہ لوگوں کو آپ کی غیر معمولی فصاحت سے تعجب ہوتا چنانچہ کنز العمال میں روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے تعجب سے استفسار کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو کبھی ہم لوگوں سے جدا نہیں ہوئے۔ پھر کیا وجہ کہ آپ ہم سب سے فصاحت میں زیادہ ہیں فرمایا جبرئیل علیہ السلام نے مجھے تعلیم کی اور شفاء میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے ایسے شخص کو نہیں دیکھا کہ جو فصاحت میں آپ سے زیادہ ہو۔ عرب میں مختلف قبائل ہیں اور ہر ایک کے محاورات علحدہ ہیں آپ جس قبیلہ کے لوگوں سے گفتگو کرتے ہیں اسی کے محاورات میں کرتے ہیں اور فصحاء و بلغاء کے جواب خاص طرز پر دیتے جس کو ہر کس و ناکس نہیں سمجھ سکتا تھا چنانچہ شفاء میں اکثر مذکور ہے۔

﴿واقعۂ خالد بن ولیدؓ وقتے کہ بالشکر شام تنہا مقابلہ کردند﴾

کمال عقل اس درجہ پر تھا کہ تمام عقلا آپ کے تدابیر سے حیران ہیں جولوگ آپ کی نبوت کے قائل نہیں انہوں نے بھی آپ کو اعلیٰ درجہ کا عقلمند تسلیم کرلیا ہے جیسا کہ اہل یورپ نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔آپ کی صدق وراست بازی اور امانت کی یہ کیفیت کہ قبل نبوت بھی سب آپ کو امین کہا کرتے تھے ایک بار آپ نے کفار قریش کو جو کل مخالف اور جانی دشمن تھے جمع کر کے فرمایا کہ اگر میں کہوں کہ ایک لشکر عظیم الشان چلا آرہا ہے تو کیا تم لوگ اس کی تصدیق کروگے سب نے بالاتفاق کہا کہ بیشک ہم تصدیق کریں گے کیونکہ آپ کبھی جھوٹ نہیں کہتے۔ حلم کی یہ کیفیت کہ کیسی ہی اذیت پہنچے بدلہ لینا جانتے ہی نہیں دیکھئے جنگ اُحد میں آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے چہرۂ مبارک پر شدید زخم آیا صحابہ پر یہ امر یہاں تک شاق ہوا کہ سب نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع میں آپ اُن اشقیا کے حق میں بددعا کیجئے آپ نے فرمایا یہ میرا کام نہیں ہے مجھے حق تعالیٰ نے خلق کو دعوت کرنے کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔اس کے بعد آپ نے دعا کی یا اللہ میری قوم کو ہدایت فرما وہ جانتے نہیں کہ میں ان کا کیسا خیر خواہ ہوں۔

﴿عفو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم﴾

عفو کا یہ حال کہ اگر کسی نے قتل پر بھی اقدام کیا تو آپ نے معاف فرما دیا چنانچہ شفاء میں روایت ہے کہ کسی غزوہ میں آپ ایک بار درخت کے سایہ میں تنہا آرام فرما رہے تھے اور صحابہ دوسرے درختوں کے تلے تھے ایک کافر جس کا نام غورث تھا سب کو غافل پا کر بہ ارادۂ قتل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آ گیا اور تلوار کھینچ کر وار کرنا چاہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے اور اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی آپ نے وہی تلوار لیکر فرمایا کہ اب تجھے کون بچائے گا کہا کہ مواخذہ میں رعایت فرمایئے آپ نے اس کا قصور معاف فرما دیا۔ اس نے اپنے قبیلہ میں جا کر کہا کہ میں ایسے شخص کے پاس سے آ رہا ہوں۔ جو خیر الناس ہے اور اسی میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا حضرت ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے جن کے کنارہ نہایت گندہ اور سخت تھے۔ ایک اعرابی آیا اور اس چادر کو اس زور سے کھینچا کہ حضرت کے گردن مبارک پر اس کا اثر نمایاں ہوا اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ دو اونٹ جو میرے ساتھ ہیں ان پر مال

لا دو جو تمہارے پاس ہے وہ نہ تمہارا مال ہے نہ تمہارے باپ کا بلکہ اللہ کا مال ہے۔ حضرت خاموش ہو گئے اور کچھ وقفہ کے بعد فرمایا کہ ہاں اللہ کا مال ہے اور میں اس کا بندہ ہوں اس کے بعد فرمایا ائے اعرابی کیا تجھ سے اس سختی کا بدلہ لیا جائے جو تو نے میرے ساتھ کی اس نے کہا نہیں۔ فرمایا کیا وجہ کہا اس وجہ سے کہ آپ برائی کے بدلہ میں برائی نہیں کیا کرتے آپنے ہنس کر فرمایا کہ اس کے ایک اونٹ پر اجو اور ایک اونٹ پر کھجوریں لا دو انتہیٰ۔

سخاوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

سخاوت کی یہ کیفیت کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کسی نے آنحضرت نے صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سوال کیا کبھی آپ نے لفظ لا کو زبان پر نہیں لایا اسی مضمون کو فرزدق شاعر نے لکھا ہے۔

ماقال قط لا الافی تشهده　　　هو لا التشهد کانت لاء ه نعم

غور کیجئے کہ اس سے بڑھ کر سخاوت میں کوئی رتبہ ہو سکتا ہے کہ کسی سائل کو محروم نہ کیا جائے حیرت تو یہ ہے کہ اگر حضرت کے پاس کچھ نہ ہوتا جب بھی آپ سائل کو محروم نہ فرماتے چنانچہ شفاء میں ترمذی شریف سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا آپنے فرمایا کہ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں لیکن تم جس چیز کی درخواست کرتے ہو

وہ خرید لو ہم اس کی قیمت ادا کریں گے عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ نے آپ کو اس امر کی تکلیف نہیں دی کہ جو چیز آپ کے پاس نہ ہو وہ بھی سائل کو دلا دیں اس کلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر آثار کراہت نمایاں ہوئے ساتھ ہی ایک صاحب نے عرض کی یارسول اللہ علیہ وسلم آپ فراغت سے خرچ فرمایئے اور اس خدا کی نسبت جو عرش کا مالک ہے کبھی خیال نہ کیجئے کہ آپ پر تنگی ڈالے گا۔حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلام پر تبسّم فرمایا اور چہرۂ مبارک پر آثار بشاشت نمایاں ہوگئے اور فرمایا مجھے بھی خدائے تعالیٰ نے ایسا ہی امر فرمایا ہے۔انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سوال کیا آپ نے اس کو بکریوں کا ایک اتنا بڑا ریوڑ عطا فرمایا کہ دو پہاڑوں کے درمیانی میدان کو بھر دیا تھا وہ شخص نہایت خوشی سے اپنے گھر گیا اور قوم سے کہا کہ لوگو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرماں بردار ہو جاؤ ان کی عطا کا یہ حال ہے کہ ان کو فاقہ کا کچھ خوف نہیں۔ایک جنگ میں قبیلۂ ہوازن کے چھ ہزار شخص قید کر لئے گئے تھے قبیلہ کے طرف سے ان کی رہائی کے باب میں سفارش ہوئی آپ نے ان کو رہا فر دیا۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک ہی بات میں چھ ہزار لونڈی غلام

آزاد فرما دیئے۔ ایک بار نو دہزار درہم کہیں سے آئے آپ نے ان کو ایک بوریہ پر ڈلوا دیا اور تقسیم شروع کی یہاں تک کہ اسی مجلس میں سب تقسیم کر دیئے معوذ بن عفرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک طبق میں رطب اور ککڑیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیں آپ نے اس کے معاوضہ میں زیور اور سونا کف بھر کے عطا فرما دیا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا آپ نے نصف وسق جو تخمیناً تین من ہوتے ہیں قرض لے کر اس کو عنایت فرمایا جب قرض دار تقاضے کو آیا تو آپ نے ایک پورا وسق اس کو عنایت کر کے فرمایا کہ نصف ادائی قرضہ میں لو اور نصف بخشش یہ چند روایات ہیں جو شفاء قاضی عیاض سے نقل کی گئیں۔ اسی پر قیاس کر لیجئے کہ روزانہ داد و دہش کا کیا حال ہوگا کیونکہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب کوئی شخص سخی مشہور ہوتا ہے تو اہل حاجت کا وہاں مجمع رہا کرتا ہے پھر جب ملک عرب جن کی فلاکت وافلاس شہرۂ آفاق ہے وہاں کے فقراُ اس داد و دہش کے حالات خاص وعام سے سنتے ہوں گے تو دور دور سے جوق جوق آتے ہوں گے۔ مقاصد الاسلام کے چھٹے حصہ میں بھی چند حالات آپ کی سخاوت کے لکھے گئے ہیں غرضکہ یہ سخاوت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا

حصہ تھا۔ یہ ایک ہی ایسی صفت ہے کہ آدمی کو محبوب بنادیتی ہے۔ دیکھئے حاتم کے نام پر اب تک محبت آتی ہے اور قارون کا نام سن کر بغض پیدا ہوتا ہے حالانکہ ان دونوں سے اس وقت کوئی تعلق نہیں بخلاف اس کے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی داد ودہش اور جود وسخا کا مشاہدہ ہوتا ہوگا تو کیسی کیسی امیدیں آپ سے وابستہ ہوئی ہوں گی۔

آداب صحابہ رضوان اللہ علیہم

الحاصل جملہ اخلاق حمیدہ وصفات پسندیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں کامل طور پر پائے جاتے تھے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ صفات وہ ہیں کہ جن میں کسی میں ایک بھی پائی جائے تو اس کے ساتھ عموماً محبت ہوا کرتی ہے پھر جب یہ تمام صفات علی وجہ الکمال حضرت میں موجود تھے جن کو سب لوگ مشاہدہ کرتے تھے تو ایسا کون ہوگا جس کو بالطبع آپ کے ساتھ محبت نہ پیدا ہوتی ہوگی۔ ہاں یہ بات اور ہے کہ عار اور تعصب وغیرہ کی وجہ سے یہ امور نظر انداز کردیئے جاتے تھے مگر اس قسم کے لوگ ایمان لاتے نہ تھے ان کا ذکر ہی کیا کلام ان لوگوں میں ہے جو تعصب کو دور کرکے نظر انصاف سے ان کمالات کو دیکھا کرتے تھے ان کو بمقتضائے طبع حضرت سے کمال

درجہ کی محبت ہونے میں کسی قسم کا شک نہیں ہوسکتا کیونکہ حسن واحسان اور کمالات پر نظر پڑنے کے بعد آدمی کے دل میں خود بخود محبت پیدا ہونا جلبی اور فطرتی امر ہے بہر حال یہ کہنا بالکل قرین قیاس ہے کہ ان کمالات کو دیکھ کر اہل انصاف کو بطبع محبت پیدا ہوتی تھی جس کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی کہ **لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ الخ** ۔یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوائے اپنی جان کے میں آپ کو سب سے زیادہ دوست رکھتا ہوں اس پر ارشاد ہوا۔**لن یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من نفسہ** ۔یعنی ایمان نہ لائیگا جب تک میری محبت اس کے دل میں اس کی جان سے زیادہ نہ ہوگی عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ آپ کی محبت میرے دل میں میری جان سے بھی زیادہ ہے فرمایا(**الان یاعُمَرؓ**) حاصل یہ کہ عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اپنی جان آدمی کو بہت عزیز ہوتی ہے یہ عرض کردی کہ میں اپنی جان کو سب سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں اس پر جب یہ ارشاد ہوا کہ جب تک کوئی اپنی جان سے بھی زیادہ مجھ کو عزیز اور محبوب نہ رکھے گا ایمان نہ لائیگا تو عمر رضی اللہ عنہ اصل مطلب کو سمجھ گئے کہ فی الواقع ایمان لانے سے پہلے یہی کیفیت ہوا کرتی ہے اس وجہ سے

ہر مسلمان حضرت کے حکم پر اپنی جان دینے کو مستعد ہو جاتا ہے یہ اطاعت خبر دیتی ہے کہ مسلمان کو اپنی جان سے بھی زیادہ حضرت کی محبت ہوتی ہے کیونکہ اطاعت محبت پر دلیل ہے اس وقت عرض کی یارسول اللہ یہ محبت تو مجھے بھی حاصل ہے اور قسم کھا کر صاف کہہ دیا کہ آپ کی محبت جان سے بھی زیادہ ہے کما قال وَالذی انزل علیک الکتاب لانت احب الی من نفسی التی بین جنبی اس کے جواب میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **الاٰن یـاعمر** ؓ یعنی اب تم نے سمجھ کر کہا کیونکہ اس وقت قسم کھا کر اپنے دعوے کو مدلل کیا اور پہلے جو عرض کی تھی وہ سرسری طور پر تھا جیسا کہ ان کے قول سے ظاہر ہے **لانـت احـب الـی من کل شئی الا نفسی** ۔ کنزالعمال کی کتاب الفضائل میں یہ روایت ہے کہ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی باغ میں تشریف لے گئے تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص دروازہ پر آ کر کھٹ کھٹایا آپنے فرمایا کہ اے انس رضی اللہ عنہ اٹھو اور دروازہ کھول کر ان کو خوش خبری دو کہ تم جنتی ہو اور میرے بعد خلیفہ ہو گے میں نے عرض کی کہ ان کو یہ بات معلوم کرا دوں فرمایا معلوم کرا دو۔ جب میں دروازہ کھولا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے میں نے ان کو وہ خوش خبر دے دی پھر دروازہ پر کسی نے ٹھوکا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا اے انس رضی اللہ عنہ اٹھو اور ان کو خوش خبری دے دو کہ وہ جنتی ہیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ ہوں گے میں نے عرض کیا۔ کیا ان کو یہ بات معلوم کرادوں فرمایا ہاں معلوم کرادو جب میں نے دروازہ کھولا تو عمر رضی اللہ عنہ کھڑے تھے میں نے ان کو خوش خبری دی پھر ایک شخص آیا اور دروازہ پر کھٹ کھٹایا فرمایا اے انس رضی اللہ عنہ اٹھو اور ان کو خوش خبری دو کہ وہ جنتی ہیں اور عمر رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ ہوں گے اور شہید ہوں گے جب دروازہ کھولا تو عثمان رضی اللہ عنہ کھڑے تھے میں نے ان کو خوش خبری دی اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ یارسول اللہ میں کبھی نہیں کایا اور کبھی تمنا نہیں کی اور جب سے آپ سے بیعت کی اور آپ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا اس ہاتھ سے کبھی شرمگاہ کو نہیں چھوا۔ حضرت نے فرمایا اے عثمان رضی اللہ عنہ یہ وہی بات ہے یعنی تمہارے ادب کا یہ ثمرہ ہے۔ انتہیٰ۔

دیکھئے اس ادب کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی تعلیم نہیں فرمائی ورنہ کل صحابہ سے ایسا ہی مروی ہوتا۔ مگر بات یہ ہے کہ کل صحابہ مؤدب تھے یعنی قلبی کیفیت ان کی تقریباً ایک قسم کی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت سب کے دلوں میں سرایت کی ہوئی تھی جس کے آثار مختلف طور پر ظاہر ہوتے تھے۔ ہر صاحب بمقتضائے طبع ایک نئی قسم کا ادب تراش لیتے

تھی جس کو شریعت میں کوئی دخل نہیں بلکہ ان کی طبیعت کا اقتضاء تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو ایسے اختراعوں سے روکتے نہ تھے چنانچہ اس حدیث میں دیکھ لیجئے کہ جب انہوں نے اپنی حالت کی خبر اس موقع بشارت میں دی تو یہ نہیں فرمایا کہ کس نے تم سے کہا تھا کہ ایسی چیز اپنے ذمہ پر لازم کرلو جس کا شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ بلکہ ایسے سخت الزاموں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر منع فرمایا کرتے تھے چنانچہ احادیث میں مصرح ہے کہ کسی بیوی نے یہ التزام کیا تھا کہ رات بھر جاگیں اور ایک رسی ٹانگ رکھی تھیں اگر نیند غلبہ کرتی تو وہ اس سے سر کے بالوں کو باندھ لیتی تھیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ رسی کھلوادی اور ان کو اس سے منع فرمایا اور بعض صحابہ نے ہمیشہ روزہ رکھنے کا التزام کیا تھا اس سے ان کو منع فرمادیا تھا اس کے سوا کئی نظائر کتب احادیث میں اس کے موجود ہیں برخلاف اس کے عثمان رضی اللہ عنہ کے اس التزام کی وقعت کی کہ اسی کو باعث مدارج قرار دیا۔ وجہ اس کی یہی ہوگی کہ عبادت الٰہی میں اس قدر غلو کرنا ضرورت سے زیادہ ہے جیسا ارشاد ہوا اُتنا کرلینا کافی ہے بخلاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے کہ وہ باعث ترقی مدارج ہے کیونکہ جس قدر حضرت کی عظمت زیادہ ہوگی اسی قدر ادب زیادہ ہوگا چونکہ یہ التزام ادب

باعث ترقی مدارج تھا اس لئے حضرت نے اس سے منع نہیں فرمایا اور اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محبوب رب العالمین ہیں جس قدر محبوب کی عظمت زیادہ ہو اور اس سے زیادہ ادب کیا جائے باعث خوشنودی محبّ ہوتی ہے۔اس سے ثابت ہے کہ مشائخین عظام اس قسم کے آداب میں غلو اور التزام کرتے ہیں وہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرضی کے خلاف نہیں بلکہ باعث ترقی مدارج ہے اب ان حضرات کو ان امور کے لحاظ سے بدعتی کہنا بے موقع ہوگا خدائے تعالیٰ ہم لوگوں کو دین میں بصیرت عطا فرمائے جس سے ہم مستحسن اور غیر مستحسن امور میں فرق کرسکیں۔کنز العمال کی کتاب الفضائل میں ہے کہ ابو الدردا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا۔جب خطبہ سے فارغ ہوئے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا اٹھو اور خطبہ پڑھو وہ اٹھے اور خطبہ پڑھے مگر جس قدر کہ حضرت نے پڑھا تھا اس سے کم۔جب وہ فارغ ہوئے تو عمر رضی اللہ عنہ کو ارشاد ہوا کہ تم بھی خطبہ پڑھو انہوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خطبہ سے بھی کم پڑھا اس کے بعد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص سے فرمایا کہ تم بھی پڑھو انہوں نے ایک طولانی خطبہ شروع کیا۔آپ ان پر خفا ہو گئے اور فرمایا بیٹھ جا۔انتہیٰ ملخصاً۔

ظاہرا خطبہ پڑھانے سے صرف ادب کا امتحان مقصود تھا جس میں دونوں صاحب کامیاب ہوئے اور تیسرے بزرگوار جن کا نام راوی نے مصلحتہً چھپا دیا ناکام رہے۔اب غور کیجئے کہ ادب کی تعلیم یوں امت کو ہوا کرتی تھی غفلت میں فرمائش کی گئی وہ موقع تو ایسا تھا کہ دل کھول کر اپنی طبیعت کے جوہر دکھائیں چنانچہ تیسرے صاحب نے ایسا ہی کیا مگر ان حضرات کی طبیعت نے اس کو گوارا نہیں کیا اور امثال امر کے لئے خطبہ تو پڑھا مگر اس مضمون کو ملحوظ رکھ کہ(ایاز حد خودبشناس)اتنا پڑھا کہ اپنا خطبہ حضرت کے خطبہ سے بڑھ نہ جائے۔اس ادب کے مقابلہ میں مقتضائے طبیعت سے چھوڑنے کی انھیں ضرورت ہوئی جن لوگوں کی طبیعت یہی ہے کہ آدمی کسی کے روبرو اپنے کو ذلیل کرنا نہیں چاہتا۔اور ادب اس وقت تک ظہور میں نہیں آتا کہ جس کا ادب کرے اس کو معزز اور اپنے آپ کو اس کے مقابلہ میں محقر سمجھے اسی مقتضائے طبیعت نے شیطان کو آدم علیہ السلام سے ادب کرنے نہیں دیا۔

تعلیمِ ادب وامتحان آں

خصائص کبریٰ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ خدا کی

قسم کھا کر کہتے ہیں کہ حضرت کے زمانہ میں بھوک کے مارے اکثر میری یہ حالت ہوتی کہ کبھی زمین پر اپنے جگر کو لگا دیتا اور کبھی پیٹ پر پتھر باندھتا۔ایک روز مارے بھوک کے راستہ پر بیٹھ گیا۔ابوبکر رضی اللہ عنہ اُدھر سے گزرے ان سے قرآن شریف کی ایک آیت پوچھی۔اس میں غرض یہ تھی کہ میری حالت دیکھ کر اپنے ہمراہ لیجائیں۔اور کھانا کھلائیں۔مگر انہوں نے خیال نہ کیا۔پھر عمر رضی اللہ عنہ آئے۔ان سے بھی اسی غرض سے ایک آیت پوچھی۔انہوں نے بھی کچھ توجہ نہ کی۔پھر حضرت ابو قاسم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے اور میری حالت دیکھ کر تبسّم فرما کر مجھے پکارے۔میں لبیک یارسول اللہ عرض کیا۔فرمایا میرے ساتھ چلو۔جب مکان میں تشریف لے گئے تو مجھے داخل ہونے کی اجازت دی۔میں جب داخل ہوا تو ایک پیالہ دیکھا۔جس میں دودھ تھا فرمائے یہ کہاں سے آیا کہا گیا کہ فلاں شخص نے بھیجا ہے۔مجھے ارشاد فرمایا کہ اہل صفّہ کو بلالو۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔کہ اہل صفہ یعنی ڈھالیہ میں رہنے والے لوگ اسلام کے مہمان تھے۔نہ ان کو جورو بچے تھے نہ مال تھا۔جو حضرت کے پاس کہیں سے صدقہ آجاتا تو ان کے پاس بھیج دیتے۔اور اس میں سے کوئی چیز نہ

لیتے۔اور اگر ہدیہ آجاتا تو ان کے پاس بھیجتے اور کچھ آپ بھی رکھ لیتے۔اور اس میں بھی ان کو شریک فرما لیتے۔الغرض جب اس جماعت کو بلانے کے لئے مجھے فرمایا تو مجھے برا معلوم ہوا۔اور اپنے دل میں کہا کہ اس تھوڑے سے دودھ میں اہل صفہ کا کیا ہوگا۔اگر وہ مجھے عنایت ہوتا تو مجھے تو قوت آتی۔اور میں جب ان کو بلانے کے لئے بھیجا جارہا ہوں تو جب وہ آئیں گے تو ان کو پلانے کے لئے مجھی کو حکم ہوگا۔اور یہ دودھ اس قدر نہیں ہے کہ ان کو بلانے کے بعد میرے حصہ میں بھی کچھ آسکے۔مگر چونکہ خدا ورسول کی اطاعت ضروری تھی ان کو بلالیا۔اور وہ آکے مکان میں بیٹھ گئے۔مجھے فرمایا۔یہ پیالہ ان کو دو۔میں نے لوگوں کو دینا شروع کیا۔ہر ایک سیری سے پیکر مجھے دیتا میں دوسرے کو دیتا۔غرض کہ سب سیراب ہوکر پیے۔اور نوبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آئی۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیالہ کو دست مبارک پر رکھا۔اور میری طرف دیکھ کر تبسّم کر کے فرمایا۔اب میں اور تم ہی باقی رہ گئے ہیں عرض کیا جی ہاں۔فرمایا بیٹھ جاؤ اور پیو۔چنانچہ میں نے خوب پیا۔پھر فرمایا اور پیو۔کئی بار اس طرح سے ارشاد ہوا اور میں پیتا گیا۔آخر میں عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب گنجائش نہ رہی۔اور قدح حضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے دست مبارک میں دیا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ بچا ہوا دودھ پی لیا۔ انتہیٰ۔

﴿اخلاص وتوکل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین﴾

صحابہ رضی اللہ عنہ کے اخلاص اور توکل کی حالت اس روایت سے معلوم ہوسکتی ہے کہ دوسرے حوائج اور اسباب تنعم تو کہاں بھوک کے مارے بیتاب ہو کے اقسام کی تدبیریں کرتے کہ اس کی اذیت کم ہو۔ مثلاً زمین پر جگر کو لگا دینا اور پیٹ کو پتھر باندھنا۔ اس قسم کے امور ہیں کہ جن سے بھوک نہیں جاسکتی۔ مگر خیال کیا جاتا تھا کہ شاید اس سے اذیت کم ہوجائے۔ باوجود اس قدر ضرورت کے کبھی کسی سے سوال نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنے طرف آتے دیکھا ہوگا تو کس قدر ان کو خوشی ہوئی ہوگی کہ یہ دونوں حضرات اسلام میں سربرآوردہ اور مسلمانوں کے خیرخواہ ہیں۔ ضرور رحم کریں گے۔ اگر اس وقت ذرا ان سے اپنے بھوک کا حال بیان کردیتے تو ضرور وہ ان کو کھانا کھلاتے اگر اپنے پاس کچھ نہ تھا تو کچھ اور تدبیر کرتے پھر بھوکے بھی کون۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل

القدر اسلام کے سچے خیر خواہ ان کے لئے تو بہت کچھ سامان کیا جا سکتا مگر سبحان اللہ انہوں نے بھوک کا نام تک زبان پر نہ لایا۔ اور تدبیر کی تو یہ کی کہ ایک آیت پوچھی۔ جس سے ان کی نظر اپنے پر پڑے۔ اور وہ خود معلوم کرلیں۔ مگر معلوم نہیں کہ اس میں کیا مصلحت الٰہی تھی۔ کہ ایسے جلیل القدر فریس حضرات کی ان پر نظر پڑنے نہ پائی۔ اوان کو حالت یاس میں چھوڑ کر چلے گئے ایسی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں تشریف فرما ہونا اوان کو دیکھ کر تبسُّم فرمانا ایک عجیب راز سربستہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس کا وجدان خاص ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ہوا ہوگا جب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت کے ساتھ جارہے ہوں گے ان کے دل کی حالت جو ہوگی اس کو نہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرسکتے تھے نہ کوئی دوسرا بیان کرسکتا ہے۔ اس کے بعد ایک امتحان کا معاملہ درپیش ہوا تو اس مخمسہ کی حالت میں ارشاد ہو رہا ہے کہ تھوڑا سا دودھ جو صرف انہی کے لئے کافی ہو نہ پی کر ایک جماعت کو بلا کر ان کو پلادیں اس امتحان میں سربر ہونا انہی کا کام تھا کیونکہ ضرورت کے وقت ہر چیز مباح ہو جاتی ہے۔ اگر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پھر عرض کرتے (حضرت صلی اللہ علیہ وسلم) بھوک سے میں مر رہا ہوں۔ اور لوگوں کو پلانے کا حکم ہو رہا ہے اس کا مستحق میں ہوں تو غالبًا اس

پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم زجر نہ فرماتے۔ اور اگر بے ادبی بھی تھی تو ان کی بے قراری اور بے صبری کی حالت دیکھ کر معاف فرما دیتے۔ مگر سبحان اللہ ان کا ادب اس وقت دیکھنے کے قابل ہے۔ کہ اس حالت میں بھی کوئی لفظ ایسا زباں پر نہ لایا جو ناگوار خاطر اقدس ہو اور ہر ایک کو برابر پلاتے رہے اور ادب میں ذرا بھی فرق نہ آنے دیا۔

﴿تفسیر اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَا کُمْ﴾

(اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَا کُمْ) عرب میں دستور تھا کہ جب کھجور کے درخت کو پھول آتا تو نر کے پھول مادہ کے پھول پر اس غرض سے ڈالے جاتے کہ بار زیادہ آوے اس کو عرب میں تو بیر کہتے ہیں ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک قوم پر ہوا جو تو بیر کر رہی تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو بیر نہ بھی کرتے تو اچھے یعنی بالیدہ ہونے والے ہو ہی جاتے۔ لوگوں نے اس سال رسم مذکور ترک کر دیا اتفاق سے اس سال کھجور خراب ہو گئیں۔ صحابہ نے واقعہ عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا تم اپنے دنیا کے کام خوب جانتے ہو۔ مقصود یہ کہ اشیاء کی خاصیات اور تاثیرات بیان کرنا نبوت سے متعلق نہیں۔ نبوت کا تو یہ کام ہی کہ خدا تعالیٰ کے تقرب کے

طریقہ بتائے جائیں۔ جو کام آدمی کو اس عالم میں مفید یا مضر ہوتے ہیں۔ بیان ہوں۔ جس کے ضمن میں اصلاح اخلاق ہو جو اصلاح تمدن کا باعث قوی ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عدمِ ضرورت تو بیر بیان فرمایا تھا وہ ایک اعتقادی مسئلہ تھا۔ کیونکہ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ بغیر حکم خدا کے کوئی چیز پیدا نہیں ہو سکتی۔ ہزار تو بیر کی جائے جب تک حکم الٰہی نہ ہو نہ درخت بار آور ہو سکتا ہے نہ بار عمدہ۔ اب رہا یہ کہ عادت جاری ہے کہ تو بیر سے کھجور بالیدہ ہوتی ہے وہ دنیا سے متعلق ہے جس کے توفیر کی تدابیر دنیا دار لوگ خوب جانتے ہیں مگر یا د رہے کہ تو بیر ہو یا اور اسباب اگر کوئی ان کو مستقل سمجھے اور اس کا اعتقاد نہ رکھے کہ اصل خالق خدائے تعالیٰ ہے اور یہ اسباب صرف برائے نام ہیں تو اس کے بے دین ہونے میں شک نہیں۔ انتم اعلم باموردنیا کم کے لفظ سے عتاب نبوی آشکار ہے۔ جس کو لفظ دنیا کم سے ظاہر فرما دیا کہ تم دنیا دار ہو۔ اور اپنی دنیا کے حالات کو ہم سے زیادہ جانتے ہو۔ ہمیں نہ تمھاری دنیا سے تعلق ہے نہ دینا داروں سے مطلب۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام اور اولیائے عظام دنیا سے بالکل علحٰدہ رہتے تھے۔ خلفائے راشدین کے حالات آپ نے مقاصد الاسلام کے حصۂ پنجم میں دیکھ لئے کہ باوجود خلافت اور سلطنت کے کیسے فقر و فاقہ

کی حالت میں انہوں نے عمر بسر کی۔اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیشت کی کیا حالت تھی۔غرض کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع میں نہایت بلیغ پیرایہ میں عتاب ظاہر فرمادیا۔اور دینا داروں نے سمجھا کہ حضرت ان کے علم کی تعریف فرماتے ہیں کہ (تم ہم سے زیادہ جانتے ہو) حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ذُقۡ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡکَرِیۡم ۔یعنی کفار جب دوزخ میں جائیں گے تو ان سے کہا جائیگا کہ اب چکھو تم تو بڑے عزیز و کریم ہو۔کیا توصفی الفاظ فی الواقع توصیف ہوسکتے ہیں ہرگز نہیں۔اسی طرح انتم اعلم توصیف نہیں ہوسکتی۔شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے الفاروق کے صفحہ (۱۳۰و۱۳۸) میں لکھا ہے کہ رومی جو شکست کھا کھا کر دمشق وحمص وغیرہ سے نکلے تھے انطاکیہ پہنچے اور ہرقل سے فریاد کی کہ عرب نے تمام شام کو پامال کردیا۔ہرقل نے ان میں سے چند ہوشیار اور معزز آدمیوں کو دربار میں طلب کیا اور کہا کہ عرب تم سے زور میں فوج میں سروسامان میں کم ہیں۔پھر تم ان کے مقابلہ میں کیوں نہیں فتح پاسکتے۔اس پر سب نے ندامت سے سر جھکالیا اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔لیکن ایک تجربہ کار بڈھے نے عرض کی کہ عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں وہ رات کو عبادت کرتے ہیں اور دن کو روزے رکھتے

ہیں کسی پر ظلم نہیں کرتے آپس میں ایک ایک سے برابری کے ساتھ ملتا ہے ہمارا یہ حال ہے کہ شراب پیتے ہیں اس کا یہ اثر ہے کہ ان کے ہر کام میں جوش اور استقلال پایا جاتا ہے۔ اور ہمارا جو کام ہوتا ہے ہمت اور استقلال سے خالی ہوتا ہے۔ قیصر در حقیقت شام سے نکل جانے کا ارادہ کر چکا تھا۔ لیکن ہر شہر اور ہر ضلع سے جوق جوق عیسائی فریادی چلے آتے تھے۔ قیصر کو سخت غیرت آئی اور نہایت جوش کے ساتھ آمادہ ہوا کہ شہنشاہی کا پورا زور عرب کے مقابلہ میں صرف کر دیا جائے۔ روم قسطنطینہ جزیرہ۔ آرمینیہ ہر جگہ احکام بھیجے کہ تمام فوجیں پایۂ تخت انطاکیہ میں ایک تاریخ معین تک حاضر ہو جائیں۔ تمام اضلاع کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ جس قدر آدمی جہاں سے مہیا ہو سکیں روانہ کئے جائیں ان احکام کا پہنچنا تھا کہ فوجوں کا ایک طوفان امنڈ آیا۔ انطاکیہ کے چاروں طرف جہاں تک نگاہ جاتی تھی فوجوں کا ٹڈی دل پھیلا ہوا تھا۔

﴿مراعات ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بہ اہل حمص﴾

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے جو مقامات فتح کر لئے تھے وہاں کے اُمرا اور رئیس ان کے عدل وانصاف کے اس قدر گرویدہ ہو گئے تھے کہ

باوجود جو تخالف مذہب کے خود اپنی طرف سے دشمن کی خبر لانے کے لئے جاسوس مقرر رکھے تھے چنانچہ ان کے ذریعہ سے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو تمام واقعات کی اطلاع ہوئی۔ انہوں نے تمام افسروں کو جمع کیا اور کھڑے ہو کر ایک پُر اثر تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمانو! خدا نے تم کو بار بار جانچا اور تم اس کی جانچ میں پورے اترے۔ چنانچہ اس کے صلہ میں خدا تم کو ہمیشہ مظفر و منصور رکھا اب تمہارا دشمن اس سروسامان سے تمہارے مقابلہ کے لئے چلا ہے کہ زمین کانپ اٹھی ہے۔ اب بتاؤ کیا صلاح ہے۔ یزید بن ابی سفیان معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی کھڑے ہوئے اور کہا کہ میری رائے ہے کہ عورتوں اور بچوں کو شہر میں رہنے دیں اور ہم خود شہر کے باہر لشکر آرا ہوں اس کے ساتھ خالد رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھا جائے کہ دمشق اور فلسطین سے چل کر مدد کو آئیں شرجبل بن حسنہ نے کہا کہ اس موقع پر ہر شخص کو آزادانہ رائے دینی چاہیے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے جو رائے دی بے شبہ خیر خواہی سے دی لیکن اس کا میں مخالف ہوں شہر والے تمام عیسائی ہیں ممکن ہے کہ وہ تعصب سے ہمارے اہل و عیال کو پکڑ کر قیصر کے حوالہ کر دیں یا خود مار ڈالیں۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا اس کی تدبیر یہ ہے کہ ہم

عیسائیوں کوشہر سے نکال دیں۔شرجیل نے اٹھ کر کہا اۓ امیر ہم کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہم نے ان عیسائیوں کواس شرط پر امن دیا ہے کہ وہ شہر میں اطمینان سے رہیں اس لئے نقص عہد کیوں کر ہوسکتا ہے۔حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنی غلطی تسلیم کی لیکن یہ بحث طے نہیں ہوئی کہ آخر کیا کیا جائے۔عام حاضرین نے رائے دی کہ حمص میں ٹھہر کر امدادی فوج کا انتظار کیا جائے۔حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اتنا وقت کہاں ہے آخر یہ رائے ٹھہری کہ حمص چھوڑ کر دمشق روانہ ہوں۔وہاں خالد رضی اللہ عنہ موجود ہیں اور عرب کی سرحد قریب ہے یہ ارادہ مصمم ہو چکا تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حبیب بن سلمہ کو جو افسر خزانہ تھے بلا کر کہا کہ عیسائیوں سے جو جزیہ یا خراج لیا جاتا ہے اس معاوضہ میں لیا جاتا ہے کہ ہم ان کو ان کے دشمنوں سے بچا سکیں لیکن اس وقت ہماری حالت ایسی نازک ہے کہ ہم ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھا سکتے اس لئے جو کچھ ان سے وصول ہوا ہے سب ان کو واپس دے دو اور ان سے کہہ دو کہ ہم کو تمہارے ساتھ جو تعلق تھا اب بھی ہے لیکن چونکہ اس وقت تمہاری حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے اس لئے جزیہ جو حفاظت کا معاوضہ ہے تم کو واپس کیا جاتا ہے چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی کل واپس کر دی گئی۔

عیسائیوں پر اس واقعہ سے اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ خدا ہم کو واپس لائے یہودیوں پر اس سے بھی زیادہ اثر ہوا انھوں نے کہا توریت کی قسم جب تک ہم زندہ ہیں قیصر حمص پر قبضہ نہیں کرسکتا یہ کہہ کر شہر پناہ کے دروازے بند کردیئے اور ہر جگہ چوکی پہرہ بٹھادیا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے صرف حمص والوں کے ساتھ یہ برتاؤ نہیں کیا بلکہ جس قدر اضلاع فتح ہوچکے تھے ہر جگہ لکھ بھیجا کہ جزیہ کی جس قدر رقم وصول ہوئی ہے واپس کردی جائے۔ انتہیٰ

اس سے مسلمانوں کی ایمانداری راست بازی وفا شعاری کا پتہ لگتا ہے کہ کس درجہ کی تھی نماز روزہ بہت آسان چیزیں ہیں روپیہ پیسہ کے معاملہ میں اکثر دشواری ہوتی ہے ہمارے زمانے کے جُہلا تو درکنار بہت سے علماء کی حالت دیکھی جاتی ہے کہ جب کسی خدمت پر مامور ہوتے ہیں یا ان کے معاش کا مقدمہ ہوتا ہے تو تدّین ٹھکانے نہیں رہتا حالانکہ دین میں اسی کی ضرورت ہے کیونکہ حقوق الناس کو خدائے تعالیٰ بھی معاف نہیں فرماتا ایسی اہم چیز کی اگر کسی کو پرواہ نہ ہو تو کہ مال کس طریقہ سے حاصل کیا گیا بجز اس کے اور کیا کہا جائے کہ اس کے ایمان ہی میں کچھ کسر ہے غرضکہ صحابہ کے تدّین نے عموماً یہ خیال پیدا کردیا تھا کہ یہ لوگ طالب دنیا نہیں

ہیں صرف اعلائے کلمۃ اللہ اور خوشنودی خدا کے واسطے اپنی جانیں لڑا کر اکثر ملک میں تہذیب قائم کرنا چاہتے ہیں اس وجہ سے مسلمانوں کی تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی حالانکہ اسلام لانے پر کوئی مجبور نہیں کیا جاتا تھا بلکہ صاف کہہ دیا جاتا تھا کہ اگر خوشی سے اسلام نہیں لاتے تو سالانہ (۴) دینار جس کی مقدار بحساب حالیہ ( ) روپیہ ہوتے ہیں دین۔ یہ ظاہر ہے کہ اتنے روپیہ دیکر مذہبی آزادی حاصل کرنا کوئی بڑی بات نہ تھی چنانچہ بہت سارے متعصب جزیہ ہی قبول کر لیتے تھے مگر انصاف پسند عقلا جو یہ سمجھتے تھے کہ نجات دئمی بغیر اس کے کہ سچے مذہب کی پابندی کی جائے حاصل نہیں ہوسکتی نہایت خوشی سے اسلام لاکر مذہب کی تمام پابندیوں کو قبول کر لیتے تھے حالانکہ یہ بھی جانتے تھے کہ مسلمانوں کے مذہب میں ہے کہ جو اسلام لاکر پھر جائے یعنی مرتد ہوجائے وہ قتل کیا جاتا ہے گویا وہ اسلام لانے کے وقت یقینی طور پر اقرار کر لیتے تھے کہ اگر ہم اسلام سے پھر جائیں تو قتل کر دیئے جائیں ان کو اتنی راسخ بنانیوالی کون چیز تھی وہی دین اسلام کی سچائی تھی کہ ان کو ایسے سچے مذہب سے پھرنے کا خیال بھی نہ آتا تھا۔ افسوس ہے کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ مسلمانوں کی حالت دیکھ کر لوگ بطیبِ خاطر مشرف بہ اسلام ہوتے تھے اوا ایک زمانہ یہ

ہے کہ اکثر مسلمانوں کی حالت اور طرز عمل دیکھ کر دوسرے مذہب والے نفرت کرتے ہیں اور مرتد ہوتے جاتے ہیں مگر پھر بھی بفضلہٖ تعالیٰ اسی اسلام کی سچائی کا یہ اثر ہے کہ اہل انصاف مسلمانوں کی حالت سے قطع نظر کر کے نفس ہدایات اسلام پر جب غور کرتے ہیں تو خود ان کا دل ان کو ایمان لانے پر مجبور کرتا ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ باوجود یہ کہ کسی قسم کا اہتمام نہیں ہے مگر ہزار ہا مشرف بہ اسلام ہوتے جاتے ہیں **الحمدللہ علی ذلک**۔تاریخ واقدی میں لکھا ہے کہ جب اہل قنسرین اور وہاں کے بطریق لوقا نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی اور معاہدہ کیا کہ ایک سال میرے حدود میں اہل اسلام تعدی نہ کریں اور علامت حدود یہ قرار دی کہ ایک بلند ستون پر ہرقل کی تصویر ہوگی اس سے آگے نہ بڑھیں۔طرفین سے یہ معاہدہ طے ہوگیا ایک روز چند سوار ادھر گذرے اور اس ستون کے قریب گھوڑوں کی موڑ توڑ کی تعلیم دے رہے تھے کہ ابوجندلہ کا گھوڑا شوخی کر کے اس ستون کے قریب ہوگیا اور ان کے ہاتھ میں دراز بھالا تھا اس تصویر کو لگ گیا جس سے اس کی آنکھ پھوٹ گئی حد کی حفاظت کے لئے جو چند آدمی وہاں تھے انہوں نے لوقا سے کہہ دیا کہ مسلمانوں نے تصویر کی بےعزتی کی اور اسکی آنکھ پھوڑ دی یہ سنتے ہی یوقنا بطریق غضب ناک ہوکر

ایک ہزار بہادر جنگ آزمودہ سواروں کو اسطحر کے ہمراہ کر کے یہ پیام کہلایا کہ تم لوگوں نے عہد شکنی کی۔اب ہم تم سے لڑینگے جب دستہ سواروں کا لشکر اسلام کے قریب پہنچا دیکھا کہ سب فوجی نہایت رزق وبرق کے ساتھ چلی آرہی ہے اوران کے سامنے ایک نشان جس پر صلیب ہے۔اس کو بلند کئے ہوئے ہیں۔صحابہ نے حملہ کر کے صلیب کو سرنگوں کردیا۔ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر پوچھا تم کون لوگ ہو اسطحر نے کہا میں حاکم قنسرین کی طرف سے پیام لایا ہوں کہ تم لوگوں نے عذر کیا ہمارے پادشاہ کی تصویر کی آنکھ پھوڑ دی اور عہد کو توڑ دیا آپنے کہا روسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کی قسم ہے کہ مجھے اس کی خبر نہیں بھی دریافت کرتا ہوں اور بہ آواز بلند کہا کہ اےئ لوگو کسی نے تصویر کی آنکھ پھوڑ دی ہے لوگوں نے کہا اےئ امیر؟ ابو ن جندلہ اور سہیل بن عمرو کا بھالا لگ گیا انہوں نے قصداً نہیں پھوڑی ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اسطحر سے معذرت کی کہ یہ فعل قصداً نہیں کیا گیا اس پر بھی اس کے معاوضہ میں تم جو کچھ کہو ہم دینے پر راضی ہیں اسطحر وغیرہ نے کہا کہ ہم ہرگز نہ راضی ہوں گے۔جب تک تمہارے پادشاہ کی آنکھ نہ پھوڑیں گے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب یہی بات ہے تو لو اس تصویر کی آنکھ کے

معاوضہ میں میری آنکھ پھوڑ ڈالو کہا یہ اس کا معاوضہ نہیں ہوسکتا تمہارے بڑے پادشاہ جو والئی عرب ہیں ان کی آنکھ پھوڑیں گے۔ جب اس نے عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھ کا نام لیا تو تمام اہل اسلام میں جوش پھیل گیا اور لڑنے مرنے پر تیار ہوگئے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فہمائش کیا اس پر سب نے بالاتفاق کہا کہ اۓ امیر ہم اپنے امام یعنی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ پر فدا ہونے اور ان کی آنکھ کے فدیہ میں اپنی آنکھیں دینے پر راضی ہیں۔

اصطخر نے مسلمانوں کا جوش دیکھا کہ آنکھ کا معاوضہ کچھ اور ہی رنگ لائیگا گھبرا کر کہا خیر آنکھیں پھوڑنے کی ضرورت نہیں۔ امیر لشکر یعنی ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی تصویر ایک نشان پر بنائی جائے ہم اس کی آنکھ پھوڑ ڈالیں گے یہ سن مسلمانوں نے کہا یہ نہیں ہوسکتا ہمارے جانب سے قصداً تعدی نہیں ہوئی تھی اور تم لوگ قصداً یہ کام کروگے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا اۓ قوم زیادہ گفتگو مت کرو میں راضی ہوں کہ میری تصویر کی وہ بے حرمتی کریں اور یہ اس لئے کہ لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ مسلمانوں عہد کر کے عذر کیا کرتے ہیں بہرحال اس پر فیصلہ ہوا کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے تصویر کی آنکھ پھوڑ دی گئی۔ انتہیٰ ملخصاً۔

﴿نفوس قدسیہ صحابہ رضوان اللہ علیہم﴾

یہاں قابل قدر یہ امر ہے کہ تمام اسلام نے بالاتفاق یہ کہہ دیا کہ ہم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے بدلہ میں ان پر سے اپنی جان فدا کرنے اوران کی آنکھ کے فدیہ میں اپنی آنکھ فدا کرنے پر راضی اور مستعد ہیں اس واقعہ میں خالد بن والید رضی اللہ عنہ بھی ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے اور یہ وہی زمانہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کر کے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ماتحتی میں انہیں دیا تھا مگر سبحان اللہ کیا نفوس قدسیہ تھے اس کا ذرا بھی خیال نہ کیا اور اپنی آنکھ کو عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھ پر فدا کرنے کے لئے مستعد ہو گئے اور مسلمانوں سے ذرا بھی مخالفت نہ کی ورنہ کہہ سکتے تھے ان کی آنکھ پھوڑی جائے تو ہمیں کیا ہم تو اسلام کے واسطے لڑتے ہیں جس میں ہم اور عمر رضی اللہ عنہ دونوں برابر ہیں اور ظاہراً یہ بات ایسی تھی کہ شاید اس کا کوئی انکار نہ کرسکتا۔ مگر یہ حضرات ایسے نہ تھے کہ ایک لکڑی سے سب کو ہانکیں وہ تو فیضانِ صحبت نبوی سے کچھ ایسے مہذب ومؤدب ہو گئے تھے کہ دنیا میں ان کی نظیر نہیں مل سکتی۔

عمر رضی اللہ عنہ کو وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ قبیلہ بنی عدی میں ایک سر برآہ اور

شخص ہیں بلکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور جانشین ہیں۔ یہ عالی نسبت ان کی تمام مسلمانوں کے دلوں پر وہ اثر کرتی تھی کہ ان کے زوبروسب کی گردنیں جھک جاتی تھیں فی الحقیقت نسبت ایسی ہی چیز ہے اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو کہ وہ کس قدر با اثر اور باوقعت چیز ہے۔ دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ازواج مطہرّات کو زوجیت کی نسبت تھی اس کا یہ اثر ہوا کہ وہ تمام مسلمانوں کی ماں ہوگئیں اور اگر ان کے ماں باپ بھی تھے تو بجائے اسکے کہ اپنی صاحبزادی سمجھیں ماں سمجھ کر وہی تعظیم وتوقیر کرتے جو ماں کی کیجاتی ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ جیسا کسی عورت سے نکاح ہوجاتا ہے تو باوجود اجنبیت کے اس نسبت کے ساتھ ہی کیسی خصوصیتیں پیدا ہوجاتی ہیں یہاں تک کہ اگر کوئی اس کو آنکھ اٹھا کر دیکھے تو اس کے مقابلہ میں جان دینا گوارا کیا جاتا ہے اولیاء اللہ کو خدائے تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک خاص قسم کی نسبت ہوتی ہے جس کے آثار دنیا اور آخرت میں جو کچھ ہوتے ہیں اگر ان کا بیان کیا جائے تو ایک مستقل کتاب ہوجائے غرضکہ عمر رضی اللہ عنہ کو جب نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی اس کی وجہ سے کل اہل اسلام اور خالد بن الولید رضی اللہ عنہ پر یہ آسان

ہو گیا تھا کہ ان کی آنکھ پر سے اپنی آنکھیں فدا کر دیں اس موقع میں ایک حدیث شریف بھی قابل ذکر ہے کہ جب فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانۂ کعبہ میں تشریف لے گئے دیکھا کہ انبیاء علیہم السلام کی تصویریں بنا رکھی ہیں۔ چنانچہ بخاری شریف کے کتاب المغازی میں یہ حدیث مذکور ہے۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما قدم مکۃ ابی ان یدخل البیت وفیہ الالھۃ فامر بھا جاخرجت. فاخرج صورۃ ابراھیم واسمعیل علیھما السلام فی ایدیھما من الازلام. فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قاتلھما اللہ مااستقسما بھا قط الخ۔ اور تاریخ کامل ابن اثیر جزء ثانی مطبوعۂ مصر صفحہ (۹۶) میں ہے (وریٰ فیھا صورالانبیاء فامر بھا فمحیت) اور

ناسخ التواریخ جلد دوم کے صفحہ (۳۴۱) میں مذکور ہے پس مقداری زعفران طلب کرد وآں صورت را بز عفران اندودہ ساخت۔ دیکھئے وہ تصویریں بتوں کی قطار و شمار میں تھیں اور ان کی رعایت نہ شرعاً ضرور تھی نہ عقلاً مگر چونکہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کو ایک خاص قسم کی نسبت تھی ان کی قدر فرمائی کہ اگر مٹایا بھی تو زعفران کے پانی سے اور کسی قسم کی توہین

گوارا نہیں فرمائی۔ اگر اس زمانہ کے مشدد حضرات اس قسم کی تصاویر پائیں تو مقتضائے طبع ان کا گواہی دیتا ہے کہ اس کام کے لئے نجاست میں اپنے ہاتھ آلودہ کرنے پر آمادہ ہوجائیں اور اس کو کمال توحید پر دلیل قرار دیں۔ چنانچہ اس پر قرینہ یہ ہے کہ بعضوں نے صراحتاً لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور نماز میں کرنا اس سے بدتر کہ (   ) کا تصور کیا جائے۔ اب غور کیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک جو خیال میں آئیگی اس کو حضرت کی صورت کے ساتھ خاص قسم کی نسبت ہوگی اس کو بدتریں حیوانات سے بدتر کہا گیا کیا کسی ایمان دار سے یہ ہوسکتا ہے۔ گو ایسے خیال والے لوگ اپنی ذہن میں اس کی کچھ توجیہات ضرور کرتے ہوں گے۔ مگر وہ سب خارج از مبحث ہوں گی۔ ہمارا کلام اس میں ہے کہ جس صورت کو نسبت حضرت کی صورت مبارک سے ہوگی اس کی توہین ضرور ہوئی۔ صحابہ کے آداب پیش نظر رکھ کر یہ صحابہ لوگ فورہی خیال کرلیں کہ اگر اس قسم کی بات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مجمع میں کہی جاتی تو کہنے والی کی کیا گت بنائی جاتی یہ ضمنی بات تھی تمتہ واقعہ یہ ہے کہ یہ صلح ایک سال کے لئے ہوئی تھی اس لئے جنگ میں توقف رہا اور نئی فتوحات کی خبریں عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پہنچیں اس تاخیر کی وجہ سے آپنے

ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے نام نامہ لکھا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ خدا کا بندہ عمر الخطاب امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی طرف سے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ امین امت پر ہمارا اسلام ہے اور معلوم ہو کہ میں خدا کا شکر کرتا ہوں اور اس کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتا ہوں اور تم کو حکم کرتا ہوں کہ ظاہر و باطن میں خدائے تعالیٰ کا تقویٰ کیا کرو اور خدائے تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے ڈراتا ہوں اور خوف دلاتا ہوں اور منع کرتا ہوں اس بات سے کہ کہیں ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جن کی حالت خدائے تعالیٰ نے اس آیۂ میں بیان فرمایا۔قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ الآیہ۔

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ کہہ دو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر تم کو اپنے باپ اور لڑکے اور بھائی اور بیویاں اور قرابت دار اور وہ مال جن کو تم نے حاصل کیا ہے۔

اور وہ تجارت جس کے بند ہو جانے سے ڈرتے ہو۔اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو اگر یہ چیزیں خدا و رسول سے اور راہ خدا میں جہاد کرنے سے تمھیں زیادہ محبوب اور مرغوب ہیں تو تم انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا عذاب لائے اور اللہ بدکار قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔انتھیٰ۔

اور خدائے تعالیٰ درود بھیجے خاتم النبیٔن اور امام المرسلین پر والحمد اللہ رب

العالمین۔ جب یہ خط ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو پہنچا انہوں نے تمام مسلمانوں کو جمع کر کے سنایا۔لکھا ہے کہ اسکے سنتے ہی ایک قوی حالت طاری ہوئی کوئی شخص ایسا نہ تھا جس نے نہ رو دیا ہو اور سب نے بالاتفاق کہا کہ اب یہاں رہنا مناسب نہیں بہتر ہے کہ حلب اور انطاکیہ پر چڑھائی کریں۔انتہیٰ۔

﴿اثرِ خط عمر رضی اللہ عنہ﴾

دیکھئے عمر رضی اللہ عنہ اس خط میں کوئی ایسی بات نہیں لکھی جس سے ان کی دل شکنی ہو بلکہ سب معمولی باتیں تھیں کیونکہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ خدائے تعالیٰ سے ڈرنا اور تقویٰ کرنا اور گناہوں سے بچنا ضروری ہے اور جو آیۂ شریفہ لکھی وہ بھی ہمیشہ قرآن شریف میں پڑھی جاتی ہے اور اس میں یہ بھی نہ تھا جنگ نہ کرو گے تو برطرف ہو جاؤ گے کیونکہ کوئی سرکاری نوکر تو تھا ہی نہیں پھر کس نہ چیز نے ان کے دل پر ایسا اثر کیا کہ بے اختیار سب رونے لگے چاہئے کوئی مانے یا نہ مانے ہم تو یہی کہیں گے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی توجہ اور اخلاص کا اثر تھا جس نے وہ تاثیر کی کہ ہزار واعظ گھنٹوں وعظ کہیں تو وہ اثر نہ ہوگا جو چند جملوں نے ایک ہنگامہ برپا کردیا کیوں نہ ہو وہ

پیر کامل تھے اور ادھر کل مرید مسنعد راسخ الاعتقاد اور بیعت پہلے ہی ہو چکی تھی۔ جس کا حال اوپر معلوم ہو چکا غرضکہ وہاں سے لشکر اسلام بہ ارادۂ فتح حلب وانطا کیہ کوچ کیا راہ میں جوق جوق نصاری اپنے راہبوں اور علمائے کو لے کر استقبال کرتے اور ران کے ساتھ انجیل ہوتی اور کمال عقیدت ظاہر کر کے صلح کی درخواست کرتے اور کہتے کہ ہم آپ لوگوں کو دوست رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ کے ذمہ میں آجائیں۔ انتہیٰ۔

یہ اثر چند ماہ کی اقامت کا تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں کے اخلاق راست بازی وفا شعاری دیانت داری شہرۂ آفاق ہوگئی تھی۔ سبحان اللہ مسلمانوں کے وہ اخلاق تھے کہ بے گانے دشمنان اسلام اپنے ہم مشرب بادشاہ سے انقطاع کر کے مسلمانوں کی حمایت میں آتے تھے اور اب بھی مسلمان ہیں کہ باوجود ہم مشربی کے ایک جماعت کو دوسری جماعت کا اعتبار نہیں بلکہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں اس پر بعض کو دعوے ہے کہ ہ سنت کے متبع ہیں۔

واقعۂ اسلام آوردن جارج قاصد باہان سپہ سالار لشکر کفار بہ حرب یرموک

مولوی شبلی صاحب نے الفاروق میں لکھا ہے کہ جنگ یرموک میں جب باہان سپہ سالار لشکر کفار تنگ ہوا تو ایک رات سرداروں کو جمع کر کے کہا کہ عربوں کو شام کی دولت ونعمت کا مزہ پڑ چکا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ مال وزر کی طمع دلا کر ان کو یہاں سے ٹالا جائے سب نے اس رائے سے اتفاق کیا دوسرے دن ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس قاصد بھیجا کہ کسی معزز افسر کو ہمارے پاس بھیج دے جو پیغام لے کر آیا اس کا نام جارج تھا جس وقت وہ پہنچا شام ہو چکی تھی ذرا دیر کے بعد مغرب کی نماز شروع ہوئی مسلمان جس شوق ذوق سے تکبیر کہہ کر کھڑے ہوئے اور جس محویت وسکون ووقار وادب وخضوع سے انہوں نے نماز ادا کی قاصد نہایت حیرت واستعجاب کی نگاہ سے دیکھتا رہا یہاں تک کہ جب نماز ہو چکی تو اس نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے چند سوالات کئے جن میں یہ بھی تھا کہ تم عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے قرآن کی یہ آیتیں پڑھیں۔

يَـا اَهۡلَ الۡكِتَابِ لَا تَغۡلُوۡا فِىۡ دِيۡنِكُمۡ وَلَا تَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا

الْحَقّ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ اَنْ يَكُوْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَةُ اَلْقَاهَآ اِلٰى مَـرْيَمَ اَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحَ اَنْ يَكُوْنَ عَبْدًا لِلّٰهِ وَلَا الْمَلآئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ.

مترجم نے ان الفاظ میں ترجمہ کیا تو جارج بے اختیار پکار اٹھا کہ بے شک عیسیٰ علیہ السلام کے یہی اوصاف ہیں اور بے شک تمہارا پیغمبر سچا ہے یہ کہہ کر اس نے کلمۂ توحید پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔ وہ اپنی قوم کے پاس واپس جانا بھی نہیں چاہتا تھا لیکن حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس خیال سے کہ رومیوں کو بدعہدی کا گمان نہ ہو مجبور کیا اور کہا کہ کل یہاں سے جو سفیر جائیگا اس کے ساتھ چلے آنا۔ انتہیٰ۔ دیکھئے ان حضرات کے خلوص اور نماز کے خضوع وخشوع کا یہ اثر ہوا کہ قاصد خود سمجھ گیا کہ خدا کی سچی عبادت ایسی ہوا کرتی ہے اور اس تھوڑی دیر کی صحبت کی یہ برکت ہوئی کہ دارین کی سعادت حاصل کر کے فائز المرام ہوا ان حضرات کے نفوس قدسیہ کا یہ اثر تھا کہ دشمنوں کی طرف کے قاصد جو اہل انصاف ہوتے تھے ان کو دیکھ کر مسلمان ہوتے تھے۔ ان حضرات کی ہمسری کا کوئی کیا دعویٰ کر سکے۔